کلیات سلطان قلی قطب شاہ مرتبہ ڈاکٹر محی الدین صاحب زور قادری تقطیع بڑی، ضخامت ایکہزار صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت: مجلد ۱۵ روپیہ، پتہ:۔ سب رس کتاب گھر خیرت آباد حیدر آباد دکن،

دکن کے قطب شاہی سلاطین میں سلطان محمد قلی قطب شاہ اپنی گوناگوں خصوصیات کے ساتھ دکھنی زبان کا قادر الکلام شاعر بھی تھا اور اس میں اسکا پورا کلیات موجود ہے لیکن ایک عرصہ تک کلیات کے متعلق مختلف قسم کے شکوک وشبہات رہے لیکن رفتہ رفتہ جب اس کے مختلف نسخوں کا پتہ چلتا گیا تو یہ شبہات دور ہوتے گئے اور یہ ثابت ہوگیا کہ کلیات محمد قلی قطب شاہ کا ہے اور دکھنی زبان میں ہے جناب محی الدین زور قادری نے مختلف قلمی نسخوں سے مقابلہ کرکے یہ صحیح اور جامع کلیات مرتب کیا ہے، کلیات کے شروع میں ساڑھے تین سو صفحوں کا بسوط تبصرہ ہے جس میں سلطان کے تفصیلی حالات ہیں، یہ مقدمہ کتابی صورت میں الگ بھی چھپ چکا ہے اور مئی ۱۹۴۱ء کے معارف میں اس پر ریویو ہو چکا ہے، اصل کلیات تین حصوں میں تقسیم ہے پہلے حصہ میں مختلف نظمیں ہیں، دوسرے میں غزلیں اور تیسرے میں قصیدے اور رباعیاں وغیرہ، ان کی مجموعی تعداد سات سو صفحوں کے قریب ہے، کلیات کی زبان بہت قدیم ہے، آج اس کے بہت سے الفاظ اور محاوروں کا سمجھنا بھی مشکل ہے، فاضل مرتب نے جابجا بین السطور میں ان الفاظ کے معنی اور تشریح لکھدی ہے لیکن غالباً اس میں انھوں نے دکھنی زبان کے متعلق اپنے علم کا لحاظ رکھا ہے کیونکہ ایسے سیکڑوں الفاظ انھوں نے چھوڑ دیئے ہیں جنکو دکھنی زبان سے واقفیت نہ رکھنے والے بالکل نہیں سمجھ سکتے، یہ کلیات عام مذاق کی چیز نہیں، آثار قدیمہ کے طور پر صرف ارباب فن اس کے قدرداں ہو سکتے ہیں، تاہم اس سے یہ بڑا فائدہ حاصل ہوا کہ دکھنی زبان کا ایک قیمتی ادبی سرمایہ جو اردو زبان کی ایک اہم کڑی ہے محفوظ ہوگیا،

"م"

جلد ۴۹ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۳ء عدد ۲

مضامین

شذرات

اس زمانہ کے متعدد "متکلمینِ اسلام" میں سے ایک متکلمِ اسلام سے گذارش کی گئی تھی کہ وہ اسلامی حقائق کی تعبیر مصطلحاتِ زمانہ سے کر کے حقیقت کی تغییر نہ کریں، اس پر انھوں نے تجدید اور تجدد کی بحث نکالی، اور اپنے کارنامہ کو تجدد کے بجائے تجدید کا لقب دینا پسند کیا ہے، اور فرمایا کہ تجدید میں مصطلحاتِ زمانہ کی تعبیر سے چارہ نہیں، مثلاً اعتراض تھا کہ اسلام کو دین اور مذہب کہنے کے بجائے "تحریک" کیوں کہا جائے، جواب ملا کہ دین اور مذہب کے فرسودہ لفظ اس زمانہ میں اپنی اہمیت کھو چکے ہیں، اور اپنے لئے مخصوص معنی پیدا کر چکے ہیں، اس لئے ایک نئے لفظ تحریک سے اسلام کی تعبیر کرنے میں اسلام کا پورا نظامِ زندگی سامنے آجاتا ہے،

سوال یہ ہے کہ اس پورے نظام کے لئے جس کو اسلام چاہتا ہے، اسلام نے خود کوئی لفظ وضع کیا ہے یا نہیں؛ اگر نہیں کیا ہے تو یہ جدت (یعنی تجدد) آپ بھی نہیں کر سکتے، کہ یہ "تجدید" نہیں، "تبدیع" ہوگی، اور اگر کیا ہے، اور اس کے مفہوم میں اتنی صدیوں میں تنگی اور تغیر نے راہ پالی ہے تو لفظ بدلنے کے بجائے آپ اس غلط فہمی کو کیوں دور نہیں فرماتے، کیا عجب کہ اسی دلیل سے آگے چل کر صلوٰۃ و صوم و زکوٰۃ و حج کی جگہ بھی نئے مصطلحاتِ زمانہ گھڑنے کی ضرورت پیش آجائے،

غالباً موصوف کی نظر اس گوشہ پر نہیں پڑی کہ کسی لفظ کے مفہوم کی تعیین ایک دن میں نہیں ہو جاتی، سالہا سال کے استعمال کے بعد لفظ اپنے معنی کی وسعت کی تحدید کرتا ہے، اور اس زمانہ میں اس کے ساتھ خاص ذہنی تصورات لازمہ قائم ہو جاتے ہیں، جو اس سے الگ نہیں ہو سکتے،

مثلاً یہی لفظ "تحریک" جو پہلے ہماری زبان میں صرف نزلہ کے لئے بولا جاتا تھا، جیسے آجکل مجھے نزلہ کی تحریک ہے، پھر مجلسی اصطلاح میں کسی تجویز کے پہلے پیش کرنے کو تحریک کہنے لگے، جیسے میں تحریک کرتا ہوں کہ ...... اب یہ لفظ انگریزی موومنٹ (Movement) کا ترجمہ ہے، اسکے معنی یہ ہیں کہ کوئی ذہنی تجویز یا اسکیم جس کو ایک شخص نے یا چند شخصوں نے مل کر سوچا ہو، اور اس کو پورے جوش و خروش کے ساتھ کامیاب بنانے کے لئے جد و جہد کیجائے" اب فرمائیے کہ کیا اسلام ایک ذہنی تجویز یا اسکیم ہے جسکو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا میں بیٹھکر سوچا ہو، یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ نے مل کر سوچ کر طے کیا ہو، اور ملک میں اسکو کامیاب بنانے کیلئے جد و جہد کی ہو، (نعوذ باللہ)

اصل میں عیسائیوں نے اسلام کے ساتھ اس لفظ "موومنٹ" کا استعمال کیا، بدیں معنی کہ نعوذ باللہ یہ محمد (صلعم) کی سوچی ہوئی، اور ذہن سے نکالی ہوئی اسکیم تھی جس کو انھوں نے اپنے پرجوش رفقاء کے ساتھ مل کر کامیاب کیا، ممکن ہے کہ ہمارے متکلم آج اس لفظ کو اپنے ایک خاص مقصد کیلئے استعمال کریں اور اس کے استعمال پر اس وقت مسامحت برتی جائے، لیکن کیا یہ ڈر نہیں کہ ناواقف نوجوان مسلمان آئندہ اسلام کو واقعی اسی قسم کی ایک ذہنی اسکیم نہ سمجھ لیں جیسا عیسائی مصنفین سمجھانا چاہتے ہیں، اب دینِ اسلام کے لئے اس لفظِ تحریک کا استعمال ہمارے متکلم اسلام بتائیں کہ تجدد ہے، یا تجدید ہے،

ابھی خان بہادر ذکاء اللہ صاحب کے جواب میں ہمارے متکلم نے کہا ہے کہ خلافتِ راشدہ "پارٹی اسٹیٹ" تھی، اور اسی اصول پر پارٹی کا لیڈر حکومت کا خلیفہ بن گیا، (مسلمان لاہور، ۲۰ فروری سنہ ۴۲ء) یہ کس کو معلوم تھا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا انتخاب آج کی نازی فیسسٹ بلشویک یورپین پارٹیز کے اصول پر تیرہ سو برس پہلے ہو چکا تھا، پھر وہ پارٹیاں کون تھیں اور لیڈر کون تھے، فرض کیجئے حضرت ابوبکرؓ کا آغازِ عہد ہے سوقت کون کون پارٹیاں تھیں جنہیں ایک پارٹی کامیاب ہو کر یا قوت پا کر برسرِ عروج آگئی تھی کیا وہ کفار، منافقین، یہود اور مسلمان تھے، کیا بنو امیہ، بنو ہاشم اور بنو حنیفہ تھے، یا مہاجرین و انصار و نومسلمان فتح مکہ یا کوئی اور مقصود آپ کا ہے، ان میں سے ہر مقصو

صحت و صواب سے خالی ہو، آخر ہمارے فاضل متکلم حقائقِ اسلام کو مصطلحاتِ زمانہ کے قالب میں ڈھالنے کی مسلسل کوشش کیوں فرما رہے ہیں، کیا یہی تجدید ہے، پھر پارٹی لیڈر کا تخیل اسلامی ہے یا فرنگی،

ہر زمانہ کے مجدد کا اصلی کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو علم (عقائد) اور عمل (فقہ) کی صحیح صورت کی جس پر جہالت کے پردے پڑ گئے ہوں تلقین کرے، اور جہالت کے ان تو بر تو پردوں کو اپنے علم و عمل سے چاک کر دے، لیکن اس صدی کے مجدد کا اعلان یہ ہے:-

"اب کہ میری حیثیت اس جماعت کے امیر کی ہوگئی ہے، میرے لئے یہ صاف کر دینا ضروری ہے کہ فقہ و کلام کے مسائل میں جو کچھ میں نے پہلے لکھا ہے یا اور جو کچھ آیندہ لکھوں گا یا کہوں گا اس کی حیثیت امیرِ جماعتِ اسلامی کے فیصلہ کی نہ ہوگی، بلکہ میری ذاتی رائے کی ہوگی، میں نہ تو یہ چاہتا ہوں کہ ان مسائل میں اپنی رائے کو جماعت کے دوسرے اہلِ علم و تحقیق پر مسلط کر دوں، اور نہ اسی کو پسند کرتا ہوں کہ جماعت کی طرف سے مجھ پر ایسی پابندی عائد ہو کہ مجھ سے علمی تحقیق اور اظہارِ رائے کی آزادی سلب ہو جائے، ارکانِ جماعت کو میں خداوند برتر کا واسطہ دے کر ہدایت کرتا ہوں کہ کوئی شخص فقہی و کلامی مسائل میں میرے اقوال کو دوسروں کے سامنے حجت کے طور پر پیش نہ کرے"

اب سوال یہ ہے کہ ہمارے مجدد کی شانِ تجدید کا ظہور نہ عقائدِ رائجہ کی تصحیح میں ہوگا، نہ اعمالِ فاسدہ کی اصلاح میں، تو پھر اس امیر کی پیروی کس چیز میں ہوگی، یہ یاد رہے کہ سیاسیات بھی فقہ سے باہر نہیں، اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ عقائد و فقہ میں امام و مجدد کی دو رائیں ہوتی ہیں، ایک ذاتی رائے اور ایک امام کی حیثیت سے، ایک کی تقلید مسلمانوں کے لئے ضروری، اور دوسری کی نہیں،

مقالات

مولانا حمید الدین فراہیؒ اور علم حدیث

از
مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

رسالہ طلوعِ اسلام (دہلی) نے اپنی دسمبر ۴۱ء کی اشاعت میں، ایک مضمون بعنوان "شاہ ولی اللہ اور قرآن و حدیث" شائع کیا ہے، اس مضمون میں ایک جگہ ضمناً مولانا حمید الدین فراہیؒ کا بھی ذکر آیا ہے، مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کی ایک روایت اور رسالہ البیان (امرتسر) کے شائع کئے ہوئے بعض اقتباسات کی بنا پر اس میں مولانائے مرحوم کی طرف علمِ حدیث کے متعلق بعض ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں، جن سے سخت غلط فہمی پھیل سکتی ہے، یہ فتنہ دراصل رسالہ البیان (امرتسر) نے اٹھایا تھا، اور دلیل میں مولانا عبید اللہ صاحب کی روایت کے علاوہ، مولانا حمید الدین صاحب مرحوم کی کتاب فاتحۂ نظام القرآن سے بعض غلط سلط اقتباسات پیش کئے تھے، یہ مضمون ہماری نظر سے گذر چکا تھا، لیکن ہم نے اس کی تردید کچھ ضروری نہیں سمجھی، کہ اس کا مسلک اور مبلغِ علم، اہلِ علم کو اچھی طرح معلوم ہے، لوگ خود غث و سمین میں امتیاز کر لیں گے، نیز مولانا کا مسلک و مذہب بھی اب لوگوں سے مخفی نہیں رہا ہے، لیکن وہی فتنۂ البیان کے حوالہ سے طلوعِ اسلام کی دسمبر کی اشاعت میں موجود ہے، اور اس رسالہ نے اوس کو کچھ مزید آب و رنگ دے کر چمکانے کی کوشش کی ہے، مسلک و مشرب کے اعتبار سے

یہ رسالہ بھی البیان ہی کی تت سے تعلق رکھتا ہے، اور اراجیف کی اشاعت مین شاید چند قدم اس سے بھی آگے ہے، اس لئے اسکی تردید بھی چندان ضروری نہین تھی، لیکن زمانہ فتنہ کا ہے، لوگ کسی چیز کے نقل وروایت کرنے اور اس کے باور کرنے مین اسلامی اصول اخلاق کی ذمہ داریون سے بالکل بے پروا ہوگئے ہین، نہ نقل وروایت کرنے والے آخرت کی بازپرس کا خیال کرتے، اور نہ ان کو قبول کرنے والے کسی ذمہ داری اور خداترسی کا احساس کرتے، اس وجہ سے جی ڈرتا ہے، کہ مبادا یہ فتنہ برگ وبار پیدا کرے اور جس سہل انکاری کے ساتھ طلوعِ اسلام نے اس کو اپنے صفحات مین نقل کرلیا ہے، اسی بے پروائی کے ساتھ بعض لوگ اس کو باور کرنا شروع کردین، نتیجہ یہ ہوگا کہ جو لوگ مولانا سے اچھی طرح واقف نہین ہین، وہ ان سے بدگمان ہون گے، اور جو ان کے خیالات وتحقیقات کی عزت کرتے ہین، وہ حدیث کے متعلق سوءِ ظن مین مبتلا ہون گے، اور ان مین سے کوئی بات بھی اپنے نتائج کے اعتبار سے اچھی نہین ہے، اور دوسری تو انتہائی محرومی وبدقسمتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے،

طلوعِ اسلام نے رسالہ البیان کے پیش کئے ہوئے اقتباسات "شکریہ" کے ساتھ اپنے صفحات مین درج کئے ہین، مگر ہم کو ان دونون رسالون سے بعض شکایتین ہین:-

۱- مولانا مرحوم نے مقدمۂ نظام القرآن مین حدیث پر جو کچھ لکھا ہے، اس کا تعلق محض روایاتِ تفسیر سے ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کتاب مین وہ اسی حیثیت سے حدیث پر بحث کرسکتے تھے، یہ بات ان کے بیانات سے بالکل صاف تھی لیکن البیان اور طلوعِ اسلام نے اس کو پورے ذخیرۂ حدیث پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے، جو راستی اور دیانتداری کے بالکل خلاف ہے،

۲- البیان نے جو اقتباسات دیئے ہین، وہ بیشتر بالکل مسخ اور غلط ہین، یہ غلطی اگر عربی سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، تو اسکی جسارت قابل افسوس ہے، کہ اوس نے ایک ایسے کام مین ہاتھ ڈالا جسکی

اہلیت اس مین موجود نہین تھی، اور ایک ایسی معصیت کا ارتکاب کیا جو افتاء بلا علم کے تحت آتی ہے اور جس پر سخت وعید ہے، اور اگر جان بوجھکر ترجمہ غلط کیا گیا ہے، اور عبارت مسخ کی گئی ہے، تو یہ کھلی ہوئی تحریف ہے، اور ایک متقی عالمِ دین کے کلام مین تحریف کرکے غلط فہمیان پھیلانا کسی حالت مین اللہ کی نظرون مین کوئی محمود فعل نہین ہوسکتا، اور اس کام مین طلوعِ اسلام کا تعاون کھلا ہوا التعاون علی الاثم والعدوان ہے، البیان نے الذی تولی کبرہ کے جرم کا ارتکاب کیا ہے، اور طلوعِ اسلام نے تلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم وتحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم (نور) کا بار گران بے دھڑک اپنے سر پر اٹھالیا ہے،

۳- حدیث وآثار کے متعلق مولانا کا مسلک نہایت واضح اور غیر مشتبہ لفظون مین کتاب کی انہی فصلون کے اندر موجود ہے، جن سے ناقص اور غلط اقتباسات دیئے گئے ہین، لیکن اس کو نظرانداز کردیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے متعلق مولانا کا مسلک پیش کرنا ان حضرات کے مدنظر نہین تھا، یا تو مولانا کی نسبت غلط فہمی پھیلانا مقصود تھا، یا اُن کو آڑ بناکر حدیث سے لوگوں کو بدگمان کرنا،

۴- مختلف مقامات سے مختلف ٹکڑے خبر کو اس کے مبتدا، سے اور کلام کو اس کے سیاق سے چھین کر ایک سلسلہ میں اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ پڑھنے والے کو یہ گمان ہو کہ یہ مقدمہ نظام القرآن کی کسی فصل کا ترجمہ ہے، البیان نے تو اتنا کرم کیا تھا کہ صفحات کے حوالے دیدیئے تھے، جن سے ان کے اقتضاب کا خیال ہوسکتا تھا، لیکن طلوعِ اسلام نے تنبیہ کے یہ نشانات بھی ہدم کردیئے کہ پڑھنے والا سمجھے کہ یہ ساری باتین ایک ہی سانس میں کہی گئی ہین، اور ایک ہی سیاق سے وابستہ ہین، ظاہر ہے کہ یہ نیکی محض اس لئے کی گئی ہے، کہ مولانا کو بھی کسی طرح انکارِ حدیث کے اس فتنہ مین گھسیٹ لایا جائے، جو ان حضرات نے آج برپا کر رکھا ہے، ان دوستون کی ان عنایات نے ہم کو مجبور کیا، کہ جو اقتباسات مولانا کی طرف منسوب کئے

گئے ہین، ان کی اصل حقیقت اور ان کے سیاق و سباق کو واضح کر دین، تاکہ ان کی وجہ سے اگر کسی کو مولینا کی نسبت یا حدیث کے متعلق کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی، ہو تو وہ رفع ہو جائے، اور اگر یہ حضرات بھی کسی غلط فہمی کی وجہ سے اس ورطۂ ہلاکت مین کود پڑے ہین، تو وہ بھی اپنی اصلاح کر لین، اور اگر ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر اپنی راہ مین یہ کانٹے بو رہے ہین، تو ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کر[illegible]

ان لوگون نے پہلا فقرہ یہ پیش کیا ہے:-

"یاد رہے کہ احادیث کی اکثریت ضعیف اور اقلیت صحیح ہے"

اس فقرہ کو جو شخص بھی پڑھے گا وہ اس کا مطلب یہی سمجھے گا کہ مولینا یہ حکم پورے ذخیرۂ حدیث پر لگا رہے ہین، البیان نے اس پر ص ۶ کا حوالہ دیا ہے، مگر اس صفحہ مین کوئی عبارت اس مضمون کی نہین ہے، البتہ ص ۷ پر مولانا نے تفسیر ابن جریر طبری پر یہ تنقید کی ہے،

وقد اسس تفسيره بعض العلماء	بعض علماء نے تفسیر کی بنا روایات پر رکھی
علی الاحادیث کابن جریر الطبری	ہے، مثلاً ابن جریر طبری رح جن کی تفسیر
الذی حکموا علی تفسیرہ انه	کی نسبت لوگون نے یہ کہا ہے کہ اسکے مثل
لم یصنف مثله ولکن الاحادیث	کوئی اور تفسیر نہین لکھی گئی، لیکن اس
فیه اکثرها ضعاف والمرفوع	مین اکثر حدیثین ضعیف ہین، اور مرفوع
فیه قلیل وانما جمع فیه اقوال	احادیث کا حصہ اس مین تھوڑا ہے،
اهل التاویل مع کثرة الاختلاف	انھون نے تو دراصل اہلِ تاویل[1] کے
فیما بینها"	اقوال تمام اختلافات کے ساتھ جمع کر دیئے ہین

یعنی ولکن الاحادیث فیه اکثرها ضعاف والمرفوع فیه قلیل کا فقرہ ہے، جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے

[1] اس زمانہ مین آیات کی تفسیر کے لئے تاویل ہی کی اصطلاح تھی،

کہ یاد رہے کہ احادیث کی اکثریت ضعیف اور اقلیت صحیح ہے" لیکن یہ کن احادیث کی نسبت مولینا لکھ رہے ہین، کل احادیث پر یہ حکم لگا رہے ہین، یا تفسیر ابن جریر کی روایات پر؟ اس بات کو گم کرنے کے لئے ایک طرف تو جملہ کو سیاق سے علیحدہ کیا گیا، اور پھر اس مین سے فیه کا ترجمہ غائب کر دیا گیا، تاکہ یہ تفسیر ابن جریر کے ساتھ مخصوص نہ رہے، بلکہ ایک عام بات ہو جائے، اور پھر اس کو اس ثبوت مین پیش کیا گیا ہے، کہ مولینا حمید الدین پورے دفترِ حدیث کو بے اعتباری کی نظر سے دیکھتے تھے، کیسا شدید ظلم ہے، جو مولانا پر کیا گیا ہے، اور اپنی عاقبت سے کتنے بے پروا ہین وہ لوگ، جو بے خطر اس طرح کی تہمتین تراشتے اور ان کو قبول کرتے ہین،

اب دوسرا فقرہ ملاحظہ ہو:-

"حدیث، اجماع اور صحفِ اولی یہ تینون ظن و شبہہ سے خالی نہین"

البیان نے اس اقتباس پر ص ۱۰ کا حوالہ ثبت کیا ہے، مین نے یہ صفحہ اور اس کے ساتھ اس کے آگے پیچھے کے صفحات بار بار غور سے پڑھے، لیکن مجھ کو کوئی فقرہ ایسا نہین ملا، جس کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہو، البتہ تفسیر کے فرعی ماخذون کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے یہ الفاظ لکھے ہین:-

واما ما هو کالتبع والفرع فثلث	باقی فرع کی حیثیت سے تین ہین (۱) علمائے
ثلاثة:- ما تلقته علماء الامة	امت نے جن احادیث نبویہ کو پایا ہے (۲)
من الاحادیث النبویة وما ثبت	قومون کے وہ ثابت شدہ احوال جن پر امت
واجتمعت الامة علیه من احوال	نے اتفاق کیا ہے (۳) گذشتہ انبیاء کے
الامم وما استحفظ من الکتب	صحیفون مین سے جو کچھ محفوظ ہے، اگر احادیث،
المنزلة علی الانبیاء، ولولا تطرق	تاریخ اور قدیم صحیفون مین ظن و شبہہ نے
الظن والشبهة الی الاحادیث	راہ نہ پائی ہوتی، تو ہم ان کو فرع کے

والتاریخ والکتب المنزلۃ من قبل	درجہ مین نہ رکھتے،
لما جعلناها كالفرع،	

یہان مولانا نے بے شبہہ یہ لکھا ہے، کہ احادیث مین ظن وشبہہ کو دخل ہے، اور یہ ایک ایسی ب
ہے، جس سے شاید ہی کسی کو انکار ہو، اور اسی کے لئے اصول اور اسناد اور رجال کے فنون مدون ہوئ
ہین، غرض اسی بنا پر مولانا احادیث کو قرآن پاک کے برابر نہین، بلکہ اس کے تحت مین ان کو تابع کا د
دیتے ہین، اور یہ یاد رہے کہ یہ تفسیری روایات کے متعلق بیان ہے، جیسا کہ سیاق وسباق سے واضح
لیکن البیان نے معلوم نہین کس لفظ کا ترجمہ "اجماع" کر دیا ہے، مذکورۂ بالا عبارت مین مولانا نے فما ثبتت
واجتمعت الامۃ علیہ من احوال الامم کے الفاظ جو لکھے ہین، اس کا ترجمہ صرف وہی ہو سکت
ہے، جو ہم نے کیا ہے، یعنی "قومون کے ثابت شدہ اور متفق علیہ حالات"، اس سے مراد اجماع
نہین ہو سکتا، اور اگر اجماع مراد ہوتا، تو وہ اس کے لئے معلوم ومعروف اصطلاح چھوڑ کر یہ ٹیڑھی
اور غلط تعبیر کیون اختیار کرتے، اور پھر اس کو ایک ہی سطر کے بعد "التاریخ" کے لفظ سے کیون ادا کرت
الفاظ کی ایسی صراحت اور قرائن کی اتنی وضاحت کے بعد بھی اگر البیان کے اڈیٹر صاحب اس عبارت کا
مطلب نہ سمجھ سکے، تو وہ آخر عربی عبارات کا ترجمہ کرنے کی جرأت کیون کرتے ہین !! اور اگر انھون
نے بالقصد یہ تحریف فرمائی ہے تو للہ وہ دوسرون پر نہیں اپنے حال پر رحم کرین،

آگے کتاب کے مذکورہ صفحہ سے مزید اقتباس ان لفظوں مین نقل کیا گیا ہے،

"مین نے بعض روایتین دیکھی ہین، جو آیتون کو جڑ سے اکھیڑ دیتی ہین، اور ان کے نظام
کو پارہ پارہ کر دیتی ہین، (اس کے بعد "الا ان تاول" کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے، یعنی الا آنکہ
ان کی تاویل کیجائے" اصلاحی) ان لوگون پر تعجب ہے جو آیت کی تاویل تو کر لیتے ہین،
لیکن روایت کی تاویل کا حوصلہ نہیں رکھتے......... تعجب پر تعجب ہے ان لوگون پر

جو ایسی روایتین تسلیم کر لیتے ہین جو نص قرآن پر بھی ہاتھ صاف کر دیتی ہین، مثلاً کذب ابراہیم
علیہ السلام اور نبی اکرم کا نطق قرآن بغیر وحی کے"۔

ہر چند کہ یہ اقتباس بھی اسقامِ ترجمہ سے پاک نہین ہے، بالخصوص مصنف کی شرافتِ لہجہ تو اس کے
اندر سے یک قلم غائب ہے، لیکن فحوائے کلام کی حد تک غنیمت ہے، کہ اس مین کوئی تصرف نہیں کیا گیا
ہے، لیکن یہ بھی تفسیری روایات سے متعلق ہے، تاہم اس کے بعد کا فقرہ جو حدیث وآثار کے متعلق مصنف
کے مسلک کو واضح لفظون مین ظاہر کرنے والا تھا، اس کو اڑا دیا گیا ہے، مولانا نے اس کے بعد لکھا ہے:-

فینبغی لنا ان لا ناخذ منها الا ما یکون	پس ہم کو صرف وہ روایتین قبول کرنی
مؤیداً للقرآن وتصدیقاً لما فیہ	چاہئین، جو قرآن کی تصدیق وتائید کرین،
کما ان الآثار المنقولۃ عن ابن عباس	مثلاً وہ آثار جو حضرت ابن عباسؓ سے
اقرب الاقوال من نظم القرآن	منقول ہین، وہ بالعموم نظمِ قرآن سے بہت اقرب
فنشیر الیہ کالتبع،	ہین، پس ہم ان کی طرف تبعاً اشارہ کرین گے

اس سے واضح ہے کہ احادیثِ صحیحہ ومرفوعہ تو درکنار مولانا آثارِ صحابہ کو بھی اس درجہ اہمیت
دیتے تھے،

اس کے بعد یہ فقرہ نقل کیا گیا ہے:-

"ایسی روایتون کے تسلیم کرنے میں کوئی ہرج نہین ہے، جو اگرچہ اصولِ روایت پر
پوری نہ اترین، لیکن درایت کی کسوٹی پر کھری ثابت ہون"۔

یہ اقتباس بھی غلط فہمی پھیلانے والا ہے، اس سے بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے، کہ ہو لٔنا
احادیث کے رد وقبول کے لئے کوئی عام اصول بیان کر رہے ہین، حالانکہ صورتِ معاملہ یہ نہین ہے
بلکہ مولٰنا اسرائیلیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہین:-

اسی طرح اہلِ کتاب کی جو روایات ہمارے یہان پھیلی ہوئی ہین، ان کے مقابل مین خود اہلِ کتاب کی تاریخ قابلِ ترجیح ہے، کیونکہ مفسرین نے یہ روایتین بالعموم عوام کی زبانی لی ہین، جو بنی اسرائیل، اور ان کے انبیا کی تاریخ سے بہت کم واقف تھے، پس بہتر ہے، کہ ان کی معتبر کتابون کو ہم ماخذ بنائین، اور ان کو تبع کی حیثیت سے پیش کرین، اور جہان کہیں وہ قرآن سے مختلف ہون وہان ان کو چھوڑ دین، کیونکہ یہ قطعی معلوم ہے، کہ ان کی کتابون مین شہادت کو چھپایا گیا ہے، یہ ان کے بارہ مین اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: انتم اعلم ام اللہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اس طرح کے اخفا و تحریف کی نہایت واضح مثال حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کے واقعہ مین موجود ہے، پس لازماً جو کچھ قرآن مین ہے، ہم اسی کو اصل قرار دین گے، اس اصول مین کسی کے لئے شک و شبہہ کی گنجائش نہین ہے، ہم مسلمان آسمانی کتابون مین کسی قسم کی تفریق جائز نہین سمجھتے، ہمارے نزدیک قرآن انہی مین سے ایک ہے، البتہ جب روایت مین اختلاف ہو گا، تو ہم کو صحتِ روایت کے لئے اہتمام کرنا پڑے گا، اور اس وقت ہم مجبوراً اسی روایت کو ترجیح دین گے، جو سب سے زیادہ صحیح اور معتبر ثابت ہو، ہان اگر باہمد گر کوئی اختلاف نہ ہو، تو ہم درایت کی کسوٹی پر جانچ کر ان کتابون سے بھی لے سکتے ہین، جن کا از روے روایت کوئی وزن نہین ہے، مثلاً ہم زبور مین سے اس چیز کو لین گے جن کی طرف قرآن کریم نے اس آیت مین اشارہ کیا ہی، الی آخرہ،

(فاتحہ نظام القرآن ص ۱۰ و ۱۱)

اس پوری عبارت کو پڑھ جائیے، اور خط کشیدہ فقرہ کو غور سے ملاحظہ فرمایئے، یہی فقرہ البیان اور طلوعِ اسلام کے اقتباس کا ماخذ ہے، اوّلاً تو دیکھئے ترجمہ مین کتنا ناجائز تصرف کیا گیا ہے ثانیاً یہ فقرہ سیاق سے الگ کر لیئے جانے کی وجہ سے مصنف کے منشا کے کس قدر خلاف ہو گیا ہے، طلوعِ اسلام وغیرہ یہ دکھانا چاہتے ہین کہ مولانا روایات کے رد و قبول کے لیئے یہ ایک عام ضابطہ بیان کر رہے ہین، حالانکہ ان کا کہنا صرف یہ ہے، کہ جہان قرآن اور صحفِ سابقہ مین باہمدگر کوئی اختلاف نہ ہو، تو ہر چند صحفِ سابقہ کا از روے روایت کوئی وزن نہین ہے، لیکن درایت کی کسوٹی پر جانچ کر اُن کتابون سے بھی ہم لے سکتے ہین، مگر ان حضرات نے کہان کی بات کہان پہنچا دی!

اس کے بعد یہ اقتباس درج کیا گیا ہے:-

"حدیث اور تواتر قرآن کو نہیں منسوخ کر سکتے...... ہم اس عقیدہ سے خدا کی پناہ چاہتے ہین، کہ رسولؐ خدا کے کلام کو منسوخ کر سکتا ہے،......... ایسا خیال یقیناً راویون کا وہم و خطا ہے"

مولانا نے یہ بات جن الفاظ اور جن دلائل کے ساتھ کہی ہے، مین اوس کو اصل کتاب سے ترجمہ کر دیتا ہون،

"اسی طرح یہ جاننا بھی ضروری ہے، کہ خبر، اگرچہ متواتر ہو قرآن کو منسوخ نہین کر سکتی اس کی یا تو تاویل کرین گے، یا اس مین توقف کرین گے، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور عام اہلِ حدیث، حدیث کو قرآن کے لئے ناسخ نہین مانتے، اگرچہ حدیث متواتر ہو، جب یہ ائمہ جو حدیث کے لئے صاحب البیت کی حیثیت رکھتے ہین، اس بات کے قائل نہیں ہوئے، تو اس باب مین ہم فقہا و متکلمین کی رائے کو کوئی وزن نہین دیتے اللہ تعالیٰ ہم کو اس بات سے پناہ مین رکھے، کہ ہم اس بات کے قائل ہون، کہ رسول اللہ کے کلام کو منسوخ کر سکتا ہے، اس طرح کے مواقع مین تمامتر راویون کے وہم اور ان کی غلطی کو دخل ہے اور فریقین کے دلائل پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق کیا ہے"

اخیر مین مقدمہ، کے اقتباسات نقل کئے گئے ہین، ہم اس مقدمہ کی اصل بحث کا صحیح ترجمہ یہان درج کرتے ہین،

"مین لکھ چکا ہون کہ جب قرآن اور احادیث مین اختلاف ہو تو اس وقت حکم قرآن ہو گا، یہان اس کی توضیح کرنا چاہتا ہون، مین بعض لوگون کے طعن سے ڈرتا تھا لیکن حدیث کے معاملہ مین ان کے غلو کا یہ حال ہے، کہ وہ کہتے ہین حدیث انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون کے تحت داخل ہے، انھون نے اپنے اس قول کے نتائج پر نہین غور کیا، اس لئے وقت آگیا ہے، کہ مین سچائی کا علم بلند کردن، اور کچھ پروا نہ کرون

ولو قطعوا راسی لدیہ واوصالی

اکثر اہلِ حدیث کے دلون مین یہ بات جمی ہوئی ہے، کہ بخاری اور مسلم نے جو روایت کی ہے اس مین شک کی گنجایش نہین ہے، ہم یہان بعض مثالین پیش کرتے ہین، تاکہ تمھین معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ نے علمار کو رب ٹھہرانے پر تشنیع فرمائی ہے، پس ہم اس پر ایمان نہین لا سکتے، جو انھون نے بغیر غور و فکر کے سمجھا ہے"۔

اس کے بعد مولانا نے بعض متناقض و متعارض روایات متعلق تفسیر مثال مین پیش کی ہین، لیکن ان پر بحث نہین کر سکے ہین، بحث کی جگہ بیاض چھوڑ دی ہے لیکن ان کا مدعا واضح ہے، وہ ان لوگون کے خیال کے مخالف ہین، جو حدیث کو "ذکر منزل" کا درجہ دین، یا اس کے لئے اس حفاظت و صیانت کے مدعی ہون، جس کا ذکر "انا له لحافظون" مین کیا گیا ہے، یہ چیز صرف قرآن کے ساتھ مخصوص ہے، کوئی محقق ایک لمحہ کے لئے بھی حدیث کو اس کے تحت داخل نہین سمجھتا، اس دعوے کے نتائج بلاشبہہ نہایت خطرناک ہین،

دوسری بات یہ ہے کہ مولنا ان لوگون کے خیال سے بھی اتفاق نہین رکھتے، جو بخاری

و مسلم کی تمام مرویات کو ظن سے بالاتر سمجھتے ہین، اور یہ بات مولانا نے کوئی نئی اور عجیب نہین کہی ہے، حافظ ابن حجر اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی ان کتابون کو ظن سے بالاتر نہین سمجھتے، ظن سے بالاتر تو سمارے دنیا کے نیچے صرف ایک ہی کتاب ہے، ہم کو تعجب ہے کہ ان دوستون نے اس بات کو اس قدر اہمیت کیون دی، حنفیہ عموماً ان تمام اقوال مین جن کا تعلق حادثۂ عامہ سے ہے، خبر احاد کو قابلِ حجت نہین سمجھتے، آخر ایسا کیون ہے! اگر خبر احاد میں احتمال اور ظن کی گنجایش نہین ہے، تو حنفیہ ایسا کیون کرتے ہین ؟ بہرحال یہ کوئی ایسی بات نہین ہے جو پہلی مرتبہ کہی گئی ہو اور جس کو اس اہتمام سے شائع کرنے کی ضرورت ہو، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہین ہے، کہ اگر بخاری و مسلم ظن سے بالاتر نہین ہین تو رد کر دینے کے قابل ہین، جن لوگون نے یہ نتیجہ نکالا ہے، انھون نے پہلی غلطی سے ہزار درجہ بڑھکر غلطی کی ہے، اور افسوس ہے کہ یہ لوگ بھی اپنی اس غلطی کے نتائج سے بے خبر ہین،

مولانا کا صحیح مسلک

یہان تک ہم نے ان اقتباسات سے بحث کی ہے، جو البیان اور طلوعِ اسلام نے پیش کئے تھے، اب ہم اسی کتاب (فاتحہ نظام القرآن) سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہین، جن سے احادیث و آثار کے متعلق مولانا کا صحیح مسلک معلوم ہو گا،

مولانا اتقان سے یہ عبارت صـ۶ مین نقل کرتے ہین :-

"اگر قرآن سے تفسیر نہ ہو سکے تو سنتِ رسول کی طرف رجوع کرے، کیونکہ سنت قرآن کی شارح اور مفسر ہے، امام شافعیؒ کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے، سب قرآن سے ماخوذ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ اس کے علاوہ اور بھی آیتین ہین، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، مجھے قرآن دیا گیا ہے، اور اسی کے مانند

ایک اور چیز بھی اسی کے ساتھ یعنی سنت، لیکن اگر سنت سے تفسیر نہ ہو سکے، تو صحابہ کے اقوال کی طرف رجوع کرے، انھوں نے چونکہ تمام قرائن و حالات کا بوقتِ نزول مشاہدہ کیا ہے، نیز فہم کامل، علم صحیح اور عملِ صالح سے مشرف ہیں، اس لئے وہ تفسیر کے سب سے بڑے جاننے والے ہو سکتے ہیں"

اس کے بعد خود اپنے طریقہ کا ذکر کرتے ہیں، اور مذکورۂ بالا مذہب کی حرف بحرف تائید کرتے ہیں :۔

"اس سے مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی، کہ پہلی چیز، جو قرآن کی تفسیر میں مرجع کا کام دے سکتی ہے، خود قرآن ہے، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا فہم ہے، پس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وہی تفسیر ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہو"۔

پھر آگے چل کر احادیثِ صحیحہ اور قرآن کے توافق کے متعلق اپنا یقین ان لفظوں میں ظاہر کرتے ہیں :۔

"میں یقین، کہتا ہوں کہ صحیح احادیث اور قرآن میں کوئی تعارض نہیں ہے، تاہم میں روایات کو بطور اصل نہیں، بلکہ بطور تائید کے پیش کیا کرتا ہوں، پہلے آیت کی تاویل مماثل آیات سے کرتا ہوں، اس کے بعد تبعاً احادیثِ صحیحہ کا ذکر کرتا ہوں، تاکہ ان منکرین کو معارضہ کی راہ نہ ملے، جنھوں نے قرآن کو پسِ پشت ڈال دیا ہے"۔

آثارِ صحابہ کی نسبت مولانا فرماتے ہیں :۔

"مثلاً جو آثار حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہیں، وہ بالعموم نظمِ قرآن سے بہت اقرب ہیں، پس اس طرح کی روایات کی طرف ہم تبعاً اشارہ کریں گے"۔

آج انکارِ حدیث کے فتنہ نے صوم، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، قربانی سب کے انکار کی راہ کھول دی ہے،

مولانا تفسیر کے لسانی ماخذ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"اسی طرح تمام اصطلاحاتِ شرعیہ مثلاً نماز، زکوٰۃ، جہاد، روزہ، حج، مسجد حرام، صفا، مروہ اور مناسکِ حج وغیرہ اور اُن سے جو اعمال متعلق ہیں، تواتر و توارث کے ساتھ، سلف سے لیکر خلف تک سب محفوظ رہے، اس میں جو معمولی جزئی اختلافات ہیں، وہ بالکل ناقابلِ لحاظ ہیں، شیر کے معنی سب کو معلوم ہیں، اگرچہ مختلف ممالک کے شیروں کی شکلوں اور صورتوں میں کچھ نہ کچھ اختلافات ہیں، پس جو نماز مطلوب ہے، وہ وہی نماز ہے، جو مسلمان پڑھتے ہیں، ہرچند کہ اس کی ہیئت میں بعض جزئی اختلافات ہیں، جو لوگ اس طرح کی چیزوں میں زیادہ کرید سے کام لیتے ہیں، وہ اس دین قیم کے مزاج سے بالکل ناآشنا ہیں جسکی تعلیم قرآن نے دی ہے" (ص ۱۲)

جس کتاب میں یہ فقرے بھی موجود ہیں، اور انہی فصلوں کے اندر جن سے البیان وغیرہ نے اقتباسات لئے ہیں، اس کے مصنف کے مسلک کی نسبت کیا اشتباہ باقی رہ جاتا ہے؛!

یہاں یہ امر بھی ذہن میں رکھنا چاہئے، کہ مولانا نے مقدمۂ تفسیر نظام القرآن میں اصولِ تفسیر سے بحث کی ہے، اور حدیث پر جہاں جہاں گفتگو کی ہے، اس کا تعلق روایاتِ تفسیر سے ہے، حدیث پر بحیثیت حدیث کے اس رسالہ میں گفتگو کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں تھا، یہ چیز مولانا کے موضوع کے حدود سے باہر تھی، اور روایاتِ تفسیر کے متعلق اہلِ علم کا یہ فیصلہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے، کہ سنن و احکام کی روایات اور تفسیر کی روایات میں بڑا فرق ہے، تفسیر کی روایات کا درجہ بہت نیچے ہے،

علامہ سیوطی اتقان میں لکھتے ہیں،

لطلب التفسیر مآخذ کثیرۃ امہاتھا   تفسیر کے بہت سے ماخذ ہیں، ان میں سے

اربعة الاوّل النقل عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم وھذا ھو الطراز المُعلم ولکن یجب الحذر من الضعیف منہ والموضوع فانّہ کثیر ولھذا قال احمد ثلاثة کتب لا اصل لھا المغازی والملاحم والتفسیر، (۲۱۱ ج ۲)

چار اصل ہین، اوّل احادیث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے نقل ہین، اور یہی سب سے نمایان ہین، لیکن ان مین ضعیف اور موضوع سے حذر واجب ہے، کیونکہ ضعیف وموضوع بہت ہین، اسی وجہ سے احمد بن حنبل کا قول ہے کہ تین قسم کی کتابون کی کوئی اصل نہیں، مغازی، ملاحم اور تفسیر،

پس اس باب مین مولانا نے جو بات کہی ہے وہ وہی ہے، جو ہمیشہ علماے حدیث نے کہی ہے، کوئی نئی اور عجیب بات نہیں ہے،

مولانا کی دوسری کتابین جو شائع ہوچکی ہین، وہ بھی لوگون کے سامنے ہین، اُن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے ساتھ مولانا کا معاملہ سوءظن اور انکار کا نہین ہے، بلکہ اہلِ تحقیق کے عام طریقہ کے مطابق تنقید، تاویل، ترجیح، تطبیق اور حُسن ظن کا ہے، البتہ قرآن کی روشنی مین انھون نے ان اصولون کے برتنے مین کسی قدر وسعت سے کام لیا ہی، تاہم یہ قطعی ہے، کہ جب تک وہ روایات کو اپنے ساتھ نہ لے لین، یا اُن سے زیادہ طاقتور چیزون سے ان کو اپنی راہ سے ہٹا نہ دین، اس وقت تک ایک قدم آگے نہیں بڑھاتے، البتہ بنیاد روایات پر وہ نہیں قائم کرتے، اس کے شدت کے ساتھ مخالف تھے، مولانا کی تمام مولفات ہمارے اس دعوی کی تصدیق کرتی ہین،

مولانا عبید اللہ سندھی کی روایت

اخیر مین چند لفظ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کی اس روایت کی نسبت بھی کہون گا جس کو طلوعِ اسلام وغیرہ نے بہت شہرت دی ہے، حیرت ہی کہ جو لوگ مولنا عبید اللہ صاحب سندھی کی روایت اس جزم ویقین کے ساتھ مانتے ہین، وہ حدیث کے ماننے سے کیون اعراض کرتے ہین!

مولانا سندھی ایک ذہین آدمی ہین، ذہین لوگ جو توفون کی بہت کم پروا کرتے ہین، اور اکثر ایسی باتین کہہ گذرتے ہین، جو "متشابہات" کی نوعیت کی ہوتی ہین، جن سے تیسرے درجہ کی عقلین فتنہ مین پڑتی ہین، اور اربابِ زیغ ان کو لے اُڑتے ہین، اور بات کا بتنگڑ بناتے ہین،

مولانا سندھی اور مولانا حمید الدین کے درمیان حدیث کے ماننے اور نہ ماننے کا جو جھگڑا تھا، اس کی بنا تو یہ ہرگز نہین ہوسکتی، کہ خدانخواستہ مولنا حمید الدین سارے دفترِ حدیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دیتے تھے، اگر یہ صورت ہوتی، تو مولانا موطا کو کیون مانتے، درانحالیکہ اہلِ تحقیق کے نزدیک صحاح ستہ اسی کی شرح کی حیثیت رکھتی ہین، اور اس ایک کا ماننا بہتون کے ماننے کو مستلزم ہے، نیز بخاری ومسلم کی نسبت مولانا کی راے اوپر گذر چکی ہے، کہ وہ ان کو اس حیثیت سے نہین مانتے، کہ وہ شک سے بالاتر ہین، اور ظاہر ہے، کہ اس حیثیت سے بخاری ومسلم کو نہ ماننا ایک بالکل دوسری چیز ہے،

اصل یہ ہی کہ اس باب مین مولانا کا ایک خاص زاویۂ نگاہ تھا، وہ تمام تر زور سنت اور تعاملِ صحابہ پر دیتے تھے، خبرِ احاد کی بنا پر غلو وافراط اور فرقہ آرائی کو پسند نہین کرتے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ فرقون مین خبر احاد مین غلو کی وجہ سے جھگڑے اور مناقشے پیدا ہوئے، چنانچہ مقدمۂ نظام القرآن ہی کے تیسرے مقدمہ مین فرماتے ہین :-

"پس جب ایسے الفاظ مصطلحہ کا معاملہ پیش آئے جن کی پوری حد اور تصویر قرآن مین بیان نہ ہوئی ہو، (مثلاً صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ وغیرہ) تو اخبار احاد پر جامد نہین ہونا چاہئے، ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ شک مین پڑوگے، دوسرون کے اعمال کو غلط ٹھہرا دوگے، ان سے جھگڑوگے، اور تمھارے درمیان کوئی ایسی چیز نہ ہوگی جو اس جھگڑے کا فیصلہ

کر سکے، ایسی صورتون مین راہ عمل یہ ہے کہ جتنے حصہ پر امت متفق ہے، اتنے پر
قناعت کرو، اور جن چیزون کے بارہ مین کوئی نص صریح اور متفق علیہ عمل ماثور موجود
نہین ہے، ان مین اپنے دوسرے بھائیون کا تخطیہ نہ کرو"۔

اس سے خبر احاد کے بارہ مین مولانا کا اصلی رجحان بالکل واضح ہو جاتا ہے، اور جب انکا رجحان یہ تھا تو ان کے نزدیک موطا کی محبوبیت وارجحیت دوسری کتب حدیث کے مقابل مین بالکل فطری بات تھی، موطا اولاً تو باعتبار حقیقت فقہ کی کتاب ہے، اس کا تعلق بیشتر اعمال و احکام عملی سے ہے، پھر اس کی بنیاد احادیث نبویہ کے علاوہ حضرت عمرؓ کے قضایا، حضرت ابن عمرؓ کے فتاوی اور عمل، نیز مدینہ کے دوسرے صحابہ و فقہاء کے فتاوی پر ہے، پھر حضرت عمرؓ کے قضایا کی حیثیت یہ ہے کہ وہ صحابہ کے مجمع علیہ قضایا ہو سکتے ہین، مدینہ کے دوسرے صحابہ اور فقہا کے فتاوی مین بھی ایک اجتماعی حیثیت کا شائبہ ہے، نیز امام مالک رحمہ عمل اہل مدینہ کو خبر احاد پر ترجیح دیتے ہین، یہ ساری ہی باتین مولانا کو اپیل کرنے والی تھیں، ان اسباب سے وہ موطا کو سب پر ترجیح دیتے تھے کہ اس کی بنیاد سنت اور تعامل صحابہ پر تھی، اور اخبار احاد کے افراط و غلو کو جیسا کہ اوپر گذرا، پسند نہیں کرتے تھے، خبر احاد کے معاملہ مین حنفیہ کا طریقہ یہ ہے، کہ عموماً ایسے حالات مین جن کا تعلق عموم بلوی سے ہو خبر احاد کو نہین مانتے، مالکیہ بھی عمل اہل مدینہ کو اس پر ترجیح دیتے ہین، مولانا بھی سنت اور تعامل صحابہ پر زور دیتے تھے۔

پس مولانا عبید اللہ اور مولانا حمید الدین مین متنازعہ فیہ معاملہ درحقیقت خبر احاد کا تھا، اور یہ جھگڑا یون طے ہو گیا کہ مولانا سندھی نے جونہی موطا کا نام لیا مولانا نے فرمایا "ہم اس کو مانتے ہین"، اور ظاہر ہے کہ جہان تک سنت اور تعامل صحابہ کا تعلق ہے، اس مین اختلاف و نزاع کی کہان گنجایش ہے،

یہ قضیہ ہے جس کو مولانا سندھی نے "حدیث کے ماننے اور نہ ماننے" سے تعبیر کیا ہے، ذہین

لوگون کو ان کے اس فقرہ سے کوئی غلط فہمی نہین ہو سکتی، لیکن عام لوگون کی فہم سے یہ بات بالاتر ہے۔

یہان تک لکھ چکا تھا کہ مجھے اپنے خیال کی تائید مین مولانا کے اپنے قلم کی ایک تحریر بھی مل گئی، شاہ صاحب کی شرح موطا کا جو نسخہ مولانا کے زیر مطالعہ رہا ہے، اس پر اپنی عادت کے مطابق مولانا نے جگہ جگہ حواشی لکھے ہین، شاہ صاحب نے دیباچۂ کتاب مین سنت و حدیث مین جو فرق بیان کیا ہے اس پر مولانا پنسل سے حاشیہ مین لکھتے ہین،

"فرق درمیان سنت و حدیث نہ چنانست کہ مؤلف رحمہ اللہ بیان فرمود، در کتاب موطا امام مالک در اکثر جاہا گفتہ والسنۃ عندنا کذا و مرادش آنست کہ عمل علمائے مدینہ چنانست و این را بر اخاد خبر ترجیح میداد چرا کہ سنت سلف متصل است تا پیغمبر صلعم و متواتر است و اخاد خبر محتمل صدق و کذب و خطاء فہم و تبدیل در ادائے خبر ست و طریق امام مالک و ابو حنیفہ اعتماد بر سنت است کہ زمان تابعین را دریافتہ بودند بعد ازان سنت خود تغیر یافت و اعتماد علماء بر اخبار و روایات باقی ماند"

مولانا کے قلم کی یہ سطرین سارے راز سے پردہ اٹھا دیتی ہین، وہ امام مالک کے قول "والسنۃ عندنا کذا" کا مطلب بتاتے ہین، کہ اس سے مراد علمائے مدینہ کا عمل ہے، اور پھر اس کے خبر احاد پر ترجیح دینے کی وجہ بیان کرتے ہین، کہ "سنت سلف متصل است تا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و متواتر است" پھر اس کے مقابل مین خبر احاد کے ضعف کے وجوہ بیان کرتے ہین کہ "اخاد خبر محتمل صدق و کذب و خطاء، و فہم و تبدیل در ادائے خبر است" پھر امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے فقہ کی بنیاد کا ذکر کرتے ہین، کہ "و طریق امام مالک و ابو حنیفہ اعتماد بر سنت ست کہ زمان تابعین را دریافتہ بودند" پھر بعد کی تبدیلی حالت پر افسوس کرتے ہین کہ "بعد ازان سنت خود تغیر یافت و اعتماد علماء بر اخبار و روایات باقی ماند"، اس ساری تفصیل

کے سمجھ لینے کے بعد کون گمان کر سکتا ہے، کہ مولانا "سنتِ سلف" کے مخالف ہو سکتے ہیں، البتہ خبر آحاد کے باب مین انھون نے جو رائے ظاہر کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے افراط و غلو کو پسند نہین کرتے تھے، اور اس بارہ مین امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے طریق کو پسند کرتے تھے، پس یہی چیز تھی، جس کے بارہ مین اُن سے اور مولانا سندھی سے "لڑائی" رہتی تھی، ورنہ مولانا جیسا "لکیر کا فقیر"، سنت اور عملِ صحابہ پر گفتگو کا کب روادار ہو سکتا ہے، درانحالیکہ ان کے نزدیک "سنت سلف متصل است تا بپیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و متواتر است" اور اگر مولانا سنت پر خدانخواستہ معترض ہوتے تو خود مولانا سندھی ان کو کب بخشنے والے تھے!

ان سطرون کی رہنمائی سے مولانا کی نسبت میرے سامنے ایک بات بالکل پہلی مرتبہ آئی، مولانا ایک محقق اور مجتہد عالم تھے، تاہم ان پر حنفیت کا رنگ غالب تھا، اور بعض مرتبہ حنفیت کی حمایت مین ایسی تقریر کر دیتے، کہ اس مین غلو کی بو محسوس ہوتی، مین اس پر کبھی کبھی اعتراض کرتا، لیکن وہ دلائل سے قائل کر دیتے، مین اپنی فہم کے مطابق اس کی مختلف توجیہین کرتا، لیکن کوئی بات دل مین جمتی نہین تھی، کبھی اوس کو مولانا شبلی نعمانی رحمتہ اللہ علیہ کی ابتدائی صحبت و شاگردی کا نتیجہ قرار دیتا، کبھی یہ خیال کرتا کہ فقہ حنفی کی عقلیت سے وہ متاثر ہین، لیکن مذکورۂ بالا سطرون سے اصل حقیقت روشنی مین آئی کہ "طریق امام مالک و امام ابو حنیفہ اعتماد بہ سنت است کہ بہ زمان تابعین رائج و دریافتہ بودند" چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین تصریح کی ہے، کہ امام مالک و امام ابو حنیفہ زیادہ تر آثار پر بنیاد رکھتے تھے، امام شافعی پہلے شخص ہین، جنھون نے ان کے مقابلہ مین احادیث کی ذاتی حیثیت پر سب سے زیادہ زور دیا (باب اسباب اختلاف مذاہب الفقہاء) اسی لئے انکی فقہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کی فقہ سے بہت زیادہ مختلف ہے اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ مین باہم بکثرت اتفاق و اشتراک ہے، ان تشریحات کے بعد امید ہے کہ کسی کو مولٰنا کی نسبت یا علم حدیث کی نسبت کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی تو وہ رفع ہو جائیگی۔

شہری مملکتِ مکہ

از

جناب ڈاکٹر حمید اللہ استاذ قانون بین الممالک جامعہ عثمانیہ

(۲)

مذہبی نظام اس قدیم زمانہ مین جب ہر شخص اپنی آپ حفاظت کرنے پر مجبور ہوا کرتا تھا، کسی ملک کا سب سے اہم کشوری انتظام وہان کے معبد کا انتظام ہوا کرتا تھا، سدانہ، حجابہ، سقایہ اور عمارۃ البیت اسی سے متعلق تھے، ان کے علاوہ اَنصاب اور اَزلام کے چرچے بھی ہم سنتے ہین، جن سے ڈیلفی وغیرہ کے یونانی مندرون کی دیوبانی Oracles کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، اسی طرح وہان ایسے بھی افراد پائے جاتے تھے جو مافوق الفطرت طاقتون کے مالک ہونے کا زعم کرتے تھے، جیسے عائف، کاہن، عرّاف، حزّیت، منجم، بلکہ خود ان لوگون کی بھی خاصی تعداد جو شاعر کہلاتے تھے، اوران لوگون کی مزعومہ قابلیتون سے وقت بوقت زود یقین اہل ملک فائدہ اٹھایا کرتے تھے، وہان کے لوگون کا ہاتف پر بھی اعتقاد تھا جو ایک نظر نہ آنے والے مگر آواز سے باتین سنانے والے کا نام تھا، بھینٹ بھی چڑھائی جایا کرتی تھی، جسے قربان کا نام دیا گیا تھا، ملک کے دیگر عام اوہام کا تفصیلی ذکر شاید یہان غیر ضروری ہوگا،

سدانہ سے مراد معبد کی رکھوالی اور حجابہ سے مراد معبد کی دربانی ہوتی تھی، اور دروازے کی چابی پاس ہونے سے جس کو چاہے معبد کے اندر جانے دیا جا سکتا تھا اور اس سلسلہ مین دربان

کو خاصی آمدنی بھی ہوجاتی تھی، یہ ایک مشہور واقعہ ہی کہ قصی نے کعبہ کی دربانی کا عہدہ ایک مشک بھر شراب کے عوض خرید کرلیا تھا[۴۶]، اور یہ بھی ایک مشہور واقعہ ہے، کہ کس طرح جناب رسالت مآب صلعم نے فتح مکہ کے بعد دروازہ کعبہ کی چابی وہان کے قدیم موروثی دربان ہی کو واپس کردینی مناسب خیال فرمائی تھی[۴۷]، یہ اب تک اسی خاندان مین چلی آرہی ہے، اور سعودی دور نے بھی تبدیلی نہ کی،

سقایہ سے مراد کعبے کی زیارت کے لئے حج یا عمرے کے زمانہ مین آنے والون کو پانی پلانا، اور عمارۃ البیت سے مراد حرم کعبہ کا عام انتظام کرنا تھا، ان دونون چیزون کا ذکر قرآن مجید مین بھی آیا ہے[۴۸]، حجاج کو پانی پلانا مکہ مین بھی ایک منفعت بخش فریضہ ہوگا، کیونکہ وہان پانی کی عام قلت ہے، اور زمزم کے کنوین کا مقدس پانی ہر حاجی کو بھی درکار رہتا ہوگا، پالمیرا مین ایک مماثل فریضے کی انجام دہی سے سالانہ آٹھ سو طلائی اشرفیون کی معقول آمدنی ہوجایا کرتی تھی[۴۹]، غالباً مکہ کے باشندے خود اس سلسلہ مین کوئی فیس ادا کرنے سے مستثنیٰ رہتے ہون گے، ابن عبدربہ نے بیان کیا ہے، کہ عمارۃ البیت کا مقصد یہ ہوتا تھا، کہ افسر متعلق دقت بوقت حرم کعبہ مین گھوم پھر کر نگرانی کیا کرے، اور دیکھے کہ کوئی شخص جھگڑے، گالی گلوج، یا بلند شور و پکار سے اس کے تقدس کو توڑ تو نہین رہا ہے، اور یہ کہ ایک زمانہ مین یہ فریضہ جناب رسالت مآب صلعم کے چچا حضرت عباسؓ انجام دیا کرتے تھے[۵۰]،

مجھے معلوم نہین کہ اسلام سے پہلے جو حج ہوا کرتا تھا، وہ بھی اتنے ہی ارکان و مراسم پر مشتمل ہوا کرتا تھا جتنا اب ہے، یا یہ کہ اس کی بعض چیزین زمانۂ اسلام کا اضافہ ہین، اور وہ چیزین اسلام سے پہلے حج سے الگ ایک مستقل حیثیت رکھتی ہون، اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے، کہ قرآن مجید

---

۴۶ تاریخ طبری ص ۱۰۹۰، ۴۷ دیکھئے سیرۃ نبوی کی کسی بھی کتاب مین فتح مکہ کے حالات ۴۸ قرآن مجید ۹/۱۹، ۴۹ پالمیرا کے کتبون پر شابو کی فرانسیسی کتاب ص ۲۰ بحوالہ مکہ مولفہ لامنس ۵۰ العقد الفرید ۲/۴۴،

مین طواف کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی دونون کے لئے ایک ہی لفظ تطوف یعنی طواف استعمال کیا گیا ہے، (چنانچہ صفا و مروہ کے سلسلہ میں یطوف بہما وارد ہوا ہے[۵۱] تو طواف کعبہ کیلئے لیطوفوا بالبیت العتیق کے الفاظ آئے ہین[۵۲]) اس کے باوجود صفا و مروہ کا طواف نہین کیا جاتا بلکہ ان کے مابین سات مرتبہ آنا جانا پڑتا ہے، یہ چیز بھی قابل ذکر ہے، کہ صفا و مروہ کے سلسلہ مین قرآن مجید نے لاجناح علیہ ان یطوف بہما یعنی کوئی حرج نہین، کہ ان دونون کا طواف کیا جائے" کے الفاظ استعمال کئے ہین، شاید پہلے انکا بھی طواف ہوا کرتا تھا جس طرح کہ کعبہ کا، لیکن اب قرآن مجید کے اس حکم کی تعمیل، سنت نبوی کی روشنی مین طواف کی جگہ سعی سے کیجاتی ہے، حج کے سلسلہ مین افاضہ و اجازہ بھی دو عہدے تھے[۵۳]، اور ان کو یہ اہمیت حاصل تھی، کہ عہدہ داران متعلقہ اور ان کے قبیلہ والے سب سے پہلے روانہ ہوسکتے تھے، جب کہ بھیڑ بھاڑ کم ہوتی تھی، لیکن مجھے نسی کے عہدے پر زیادہ تفصیل سے کچھ عرض کرنا چاہئے[۵۴]،

اسلام سے پہلے مکہ والون کا تمدن جس قدر افتادہ حالت مین تھا، اس کے باوجود انھین

---

۵۱ قرآن مجید ۲/۱۵۸، ۵۲ قرآن مجید ۲۲/۲۹، ۵۳ سیرۃ ابن ہشام ص ۷۰ وما بعد ۵۴ نسی یعنی قمری مہینون کو کبیسہ کرکے شمسی بنانا عہد نبوی کی تاریخ پر جو اہم عملی اثرات ڈالتا ہے، اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس دوم کی روداد مین میرا انگریزی مضمون "اسلام کے سیاسی تعلقات ایران" مین، اس موضوع پر عام معلومات کے لئے دیکھئے محمود آفندی کا (جو بعد میں محمود پاشا فلکی کے نام سے مشہور ہوئے) تحقیقی مقالہ فرانسیسی رسالہ ژورنال آزیاتیک ۱۸۵۸ء ص ۱۰۹ تا ۹۲ بعنوان "عربی کیلنڈر پر ایک یادداشت"، یہ مقالہ عربی میں بھی چھپا ہے، موبرگ کا جرمن زبان مین جامعہ لونڈ واقع سویڈن مین چھپا ہوا مقالہ بعنوان "نسی اسلامی روایت مین" حوالون اور اس موضوع پر شائع شدہ مقالون اور کتابون کی تفصیل کے لئے مفید ہے،

شمسی اور قمری سالوں کا فرق محسوس ہوچکا تھا، چنانچہ ایک سرسری اندازے کے مطابق وہ ہر تیسرے سال ایک تیرہوان مہینہ بھی قائم کرلیا کرتے تھے، جو محرم اور صفر کے مابین ہوا کرتا تھا، کبیسہ بنانے کا یہ کام مختلف مراسم کے ساتھ انجام پاتا تھا، اور اس کا اعلان جس افسر کے فرائض مین داخل تھا وہ قبیلہ بنی فقیم سے تعلق رکھا کرتا، اور قلمّس[۱] یا قلنبس[۲] کہلاتا تھا، شاید یہ لفظ رومی Calendae (یعنی کیلنڈر والا) کا بگڑا ہوا ہے،

کبیسہ بنانے کے سلسلہ میں ہمین اشہر حرم یعنی حرام اور مقدس مہینون کا بھی کچھ ذکر کرنا چاہئے دنیا کے دیگر ممالک کی طرح معبد کعبہ کی زیارت کے لئے جو مذہبی حج ہر سال ایک معینہ زمانہ مین کیا جاتا، وہ ساتھ ہی ایک تجارتی میلہ کی بھی حیثیت اختیار کرلیتا، کیونکہ کچھ تو حج کے لئے آنے والے نوواردون کی ضروریاتِ خورد نوش کے لئے درآمد کی بھی ضرورت ہوتی اور فروخت گاہون کی بھی اور خود نووارد حجاج بھی اپنے ساتھ تجارتی سامان لے کر حج کے ساتھ خانگی کاروبار بھی انجام دے لیتے،[۳] قرآن مجید نے بھی اس قدیم طرز عمل کو جاری رہنے دیا، بلکہ اسکی حوصلہ افزائی بھی کی، اور قرار دیا کہ لیس علیکم جناحٌ ان تبتغوا فضلاً من ربکم یعنی کوئی حرج نہین، کہ تم اپنے رب کا فضل حاصل کرنے کی کوشش کرو، اور تجارتی کاروبار کے نفع کو خدا کا فضل قرار دیا، اس طرح ہر سال جو میلہ لگا کرتا اس سے میلہ لگنے کے مقام کے سردار کو جملہ تجارتی درآمد کا عُشر یعنی دسوان حصہ محصول درآمد مین ملکر خوب آمدنی ہوجایا کرتی تھی، اس لئے وہ ہر ممکنہ ذریعہ سے اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ بیرونی لوگون کو زیادہ سے زیادہ تعداد مین آنے کی بڑی سے بڑی ترغیب ہو، بدرقہ یا خفارہ کا نہایت

---

[۱] امام ہود سے قلمّس اس شخص کا لقب سمجھا جاتا ہے جس نے عرب مین کبیسہ سال رائج کیا، لیکن محمد بن حبیب نے کتاب المجر (مخطوطہ برٹش میوزیم) مین قلامسہ بصیغہ جمع بھی استعمال کیا ہے [۲] قلمّس کا مترادف ہے دیکھئے لسان العرب تحت کلمہ قلمس [۳] قرآن مجید ۲: ۱۹۸

منظم اور ترقی یافتہ ادارہ بھی جس مین قریش مکہ کو کافی دخل تھا، اس بارہ مین خاصا مددگار ثابت ہوتا تھا، حرام مہینون کا ادارہ بھی اسی غرض کیلئے وجود مین آیا تھا، کہ اس زمانہ مین لوٹ مار کو مذہبی نقطۂ نظر سے ممنوع قرار دینے کے باعث اجنبیون اور تاجرون کو اس میلہ مین آنے کی ترغیب ہو، امن کا سب سے طویل زمانہ جو تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے، وہ حج کعبہ کے سلسلے مین مسلسل تین مہینون پر مشتمل ہوا کرتا تھا،[۱] دیگر معبدون کے حج نسبتہً کم مدت تک امن و امان قائم کراسکتے تھے، اس سے لامنس[۲] اور اس کے ہم خیالون کے مسلسل اور پُر اصرار انکار کے باوجود یہ بات صاف طور پر ثابت ہوجاتی ہے، کہ حج کعبہ کو کس طرح غیر معمولی اور امتیازی اہمیت حاصل تھی، اور وہان نہ صرف پورے جزیرہ نمائے عرب بلکہ شام اور مصر تک[۳] سے حجاج آیا کرتے تھے، ضمناً یہ بھی بیان کردیا جاسکتا ہے، کہ قریش کے چند ممتاز خاندانون کو مسلسل آٹھ مہینون تک اشہر حرم حاصل رہتے تھے، اور تاریخ نے اس کو بسل کے نام سے یاد رکھا ہے،[۴] غالباً یہ خانوادے طویل تجارتی سفر کے لئے قافلے لایا اور لیجایا کرتے ہون گے، اور جن علاقون سے گذرتے تھے وہان والون کا سامان بھی کوئی معاوضہ اور کمیشن لئے بغیر کاروبار تجارت کے لئے لایا اور لیجایا کرتے ہون گے، جس کے باعث اہل قبائل بھی ان کے چھیڑنے سے باز رہتے ہون گے، کمیشن کے بغیر قریش کا بعض قبائل کے سامان تجارت کو لانا اور لیجانا ایک تاریخی واقعہ ہے،[۵] بہرحال ان تمام چیزون سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ملک مین امن و مسالمت کی جانب ایک بین رجحان پایا جاتا تھا، نہ کہ ہر شخص کا باقی تمام دنیا سے اپنے کو برسر پیکار خیال کرنا،

---

[۱] دیکھئے قرآن مجید ۹: ۳۶ کی تشریح کسی تفسیر وغیرہ میں [۲] دیکھئے لامنس کا مضمون "مکہ کا فوجی نظام" فرانسیسی رسالہ ژورنال آزیاتیک سنہ ۱۹۱۶ء [۳] ازرقی کی اخبار مکہ ص ۱۰۷، سیرۃ ابن ہشام ص ۲۸۲، طبقات ابن سعد ۱/۲ ص ۱۴۵ [۴] سیرۃ ابن ہشام ص ۷۶، قاموس فیروزآبادی تحت کلمہ "بسل" [۵] طبقات ابن سعد ۱/۲ ص ۱۲۵...

یہ واقعی ایک بدبختی کی بات تھی، گو عمداً اس کا ارادہ نہین کیا گیا ہو گا، کہ ہر تیسرے سال جب قلمس حج کے مہینہ ذی الحجہ مین اعلان کرتا تھا کہ آیندہ مہینہ محرم الحرام نہین ہوگا، بلکہ ایک معمولی اور غیر حرام مہینہ ہوگا جس کے دوران مین بدویون کے لُوٹ مار سے باز رہنے کی کوئی پابندی نہین ہوگی، اس طرح تین حرام مہینون کا تسلسل ٹوٹ جاتا، اور نتیجۃً ان لوگون کو دشواریان پیش آتین جو جلد رخصت ہونا چاہتے،

مکہ والے تین مسلسل اور چوتھے ایک علٰحدہ مہینہ کو مقدس تسلیم کرتے تھے، چنانچہ ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم عرفات کے حج اکبر کے لئے[۱] اور رجب حج اصغر یا عمرے[۲] کے زمانہ مین جب کہ لوگ کعبہ کی زیارت کو آتے، قریشی اثر سے ان مقدس مہینون کا قریب قریب پورے عرب میں احترام کیا جاتا، دیگر مقامات کے حج اور میلہ کے سلسلہ مین بھی حرام مہینے ہوتے تھے، اور اسی لئے جناب رسالت مآب صلعم کے خطبۂ حجۃ الوداع مین "رجب مضر" کا محاورہ برتا گیا، ہے[۳] تاکہ اس کو "رجب ربیعہ" سے ممتاز کیا جائے، یہ غیر قریشی حرام مہینے نسبۃً کم سختی سے ملحوظ رکھے جاتے تھے، جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا قریشی حرام مہینون کو عام طور پر ملحوظ رکھا جاتا تھا بجز اس کے کہ طے اور خثعم کے دو ضرب المثل لیٹرے قبائل اس حرمت و امتناع کی پرواہ نہیں کرتے تھے[۴] عام عربون کے برخلاف یہ دونون قبیلے چونکہ عیسائیت بڑی حد تک قبول کر چکے تھے، اس لئے بڑی او ہام درواجات کی وہ پروا نہین

---

۱ جناب رسالت مآب صلعم نے یمن کے گورنر عمرو بن حزم کو جو ہدایت نامہ دیا تھا، دمتن کے لئے دیکھئے سیرۃ ابن ہشام ص ۹۶۱ نیز قرآن مجید ۹/۳ کی تشریح تفسیر طبری مین) اس مین حج اصغر اور حج اکبر کی تشریح کی گئی ہے ۲ ایضاً ۳ خطبۂ حجۃ الوداع کے لئے دیکھئے سیرۃ ابن ہشام ص ۹۶۸ تا ۹۷۰، تاریخ طبری ص ۱۷۵۳ تا ۱۷۵۵ تاریخ یعقوبی ۲/۱۲۲ تا ۱۲۳، جاحظ کی البیان والتبیین ۲/۲۴ تا ۲۶ ابن عبد ربہ کی العقد الفرید باب خطب وغیرہ
۴ تاریخ یعقوبی ۱/۳۰۳ تا ۳۱۴، مرزوقی کی الازمنہ والامکنہ ۲/۱۶۶،

نقشہ حدودِ حرم مکہ

حدود میقات احرام
حدود حرم مکہ
سڑک
اعلام یعنی ستونہای حد حرم

کرتے ہوں گے، لیکن عیسائیت اور لوٹ مار کا میل کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا، قریشی مہینوں کا احترام بے شبہ اسلئے تھا، کہ قریشی کاروبار اور تجارتی تعلقات بہت پھیلے ہوئے تھے، اور ان کی حلیفوں کا جال بھی خوب وسیع تھا، اس سلسلہ میں محمد بن حبیب کی کتاب المحبر کا ایک اقتباس دلچسپی کا باعث ہوگا:-

"ہر تاجر جو یمن یا حجاز سے (شمالی عرب کے میلے دومۃ الجندل کو) جانا چاہتا، تو وہ جب تک مضری قبائل کی سرزمین سے گزرتا رہتا تو قریشی بدرقے حاصل کرتا، کیونکہ کوئی مضری قبیلہ نہ تو کسی قریشی تاجر کو ستاتا اور نہ کسی مضریون کے حلیف کو، چنانچہ قبیلۂ کلب والے کسی ایسے شخص کو نہیں ٹوکتے، کیونکہ وہ قبیلۂ بنی الجشم کے حلیف تھے، اسی طرح قبیلہ طے والے بھی ان کو نہیں ستاتے، کیونکہ ان کی بنی اسد والوں سے حلیفی تھی"۔

یہ چیز دوبارہ یاد دلائی جا سکتی ہے، کہ طے اور خثعم[۱] والے عرب کے حرام مہینوں کی پروا نہین کرتے تھے، مگر قریشیون کو اس حلیفی کے باعث سال بھر ہی ان سے امن رہتا، محمد بن حبیب نے مزید برآن بیان کیا ہے:-

"اگر مسافر بنی عمرو بن مرثد کا خفارہ حاصل کر لیتے، تو اس پورے علاقہ مین جہان قبائل ربیعہ بستے تھے، انھین حفاظت حاصل تھی،...... اگر بحرین کے سوق مشقر جانا ہوتا تو قریشی خفارہ ہی حاصل کیا جاتا،...... اگر جنوبی عرب کے سوق صحرہ کو جانا ہوتا تو بنی محارب کا بدرقہ حاصل کیا جاتا،...... حضرموت کے سوق رابیہ کو جانے کیلئے

[۱] کوئی حیرت نہ ہو کہ ایک خثعمی ہی نے اس بات پر رضامندی ظاہر کی تھی، کہ ابرہہ نے اصحاب الفیل کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کرنی چاہی تو یہ اس کی رہنمائی کرے، دیکھئے ابن عبد ربہ کی العقد الفرید ۲/۵،

قریش قبیلۂ بنی آکل المرار کا خفارہ حاصل کرتے، اور دیگر لوگ کندہ کے آل مسروق کا، اس طرح ان دونوں ہی قبائل کو عزت حاصل تھی، لیکن قریشی سرپرستی کے باعث آکل المرار کو اپنے حریفوں پر فوقیت حاصل ہو گئی"[۱]...... عکاظ عرب کا سب سے بڑا میلہ ہوا کرتا تھا، اور وہان قریش، ہوازن، غطفان، عضل، قیش، حبا، مصطلق، احابیش اور دیگر قبائل یا کرتے تھے[۲]۔

اگرچہ قبہ یعنی منڈپ یا شامیانہ اور اعنۃ یعنی گھوڑے کی لگاموں کے اداروں کا منشا، عرب مولفوں[۳] نے یہ بیان کیا ہو کہ اول الذکر کا مطلب ایک ڈیرہ لگا کر کسی عام قومی ضرورت کے لئے چندہ جمع کرنا ہوتا، اور آخر الذکر سے مراد سوارہ فوج کی افسری ہوتا، لیکن غالباً لامنس[۴] کا خیال درست ہے، کہ اصل میں قبہ سے مطلب وہ شامیانہ ہوتا ہو گا، جو جنگ یا عید کے موقع پر قابل حمل و نقل بتوں کے اوپر سایہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا، اور اعنۃ سے مراد وہ امتیاز تھا کہ کسی بُت کو گھوڑے پر رکھکر جلوس سے لیجائیں تو اس گھوڑے کی لگام پکڑے چلیں،

مقدس شامیانے کا ذکر عربی ادبیات مین کچھ شاذ و نادر نہین ہے، یہ باور کرنا کافی مشکل معلوم ہوتا ہے، کہ مکی سماج جس پست اور ابتدائی حالت میں تھا، اس کے باوجود وہان سپہ سالار فوج اور سوارہ فوج کا افسر دو الگ الگ عہدے پائے جاتے ہوں[۵]، سلام

[۱] اس سلسلہ مین ملاحظہ ہو Olinder کی کتاب The Kings of Kinda of the family of Akil al-murar مطبوعہ جامعہ لونڈ واقع سویڈن ۱۹۲۷ء

[۲] ابن حبیب کی کتاب المحبر باب اسواق العرب مخطوطہ برٹش میوزیم [۳] ابن عبد ربہ کی العقد الفرید ۲/۴۵ [۴] لامنس کا مضمون "تمثالی اور مذہبی جلوس زمانہ جاہلیت کے عربوں مین" جو اس کی فرانسیسی کتاب "مغربی عرب" مین بھی چھپا ہے [۵] بہرحال یونان کے شہر اثینہ کی متعلق بیان کیا جاتا ہو کہ "وہان دس سالاران فوج ہین ہر ایک ایک ایک قبیلہ کیلئے... اور ہر ایک اپنے قبیلہ والون کی سالاری کرتا اور انکی پلٹنون کا افسر مقرر کرتا ہے، اسی طرح وہان دو سالاران رسالہ پائے جاتے ہین جن کا انتخاب تمام شہری ملکر کرتے ہیں اور جو سوارہ فوج کی سالاری کرتے ہین انمین سے ہر ایک کے تحت پانچ پانچ قبائل (کے سوار) ہوتے ہین" دیکھئے ارسطو کا دستور اثینہ ترجمہ انگریزی ص ۱۱۲ تا ۱۱۳،

آنے کے بعد جب زمانۂ جاہلیت کی بہت سی رسمین مٹ گئیں اور چند صدی بعد جو مؤلف پیدا ہوئے انھین ان چیزون کا کوئی علم نہ ہوسکا تو ذہانت سے کام لیکر انھون نے اکثر قدیم اصطلاحات کا منشا، ان کے لغوی معنون کو سامنے رکھکر واضح کرنے کی کوشش کی، اور چونکہ انھین ان اصطلاحات کا پس منظر معلوم نہ تھا، اس لئے بعض وقت وہ غلطی بھی کرجاتے تھے، بہرحال ہمارے مؤلف بیان کرتے ہین، کہ اعنہ کا عہدہ زمانۂ جاہلیت مین خالد بن الولید کو وراثت مین ملا تھا، یہ استنباط غالبًا اس واقعہ کی بنا پر ہے کہ احد کی لڑائی مین خالد بن الولید ہی نے مکہ والون کے رسالہ کی قیادت کی تھی[1]، لیکن احد کو چھوڑ کر بدر یا خندق یا کسی اور لڑائی مین قریش کے ساتھ گھوڑے کبھی اتنی تعداد مین نہ تھے، کہ ان کا ذکر کیا جاسکے، عرب مین گھوڑے عام طور پر ایک تعیش ہی کی چیز سمجھے جاسکتے ہین، یون بھی قبہ اور اعنہ دونون عہدے عرب مولفین کے بیان کے مطابق ہمیشہ ایک ہی شخص کو حاصل ہوا کرتے تھے[2]، اور ظاہر ہے کہ کسی شخص کا افسرِ رسالہ اور افسرِ خیمہ دونون ہونا کوئی ایسا ضروری امر نہین، کیونکہ یہ چیزین لازم و ملزوم نہین ہین،

نظامِ مالیہ کسی مملکت کے نظم و نسق مین مالیہ کی اہمیت قدیم ہی سے رہی ہے، ذہانت کے پُتلے قُصی[3] نے کہتے ہین کہ مکہ والون پر ایک سالانہ محصول لگانے کا بہت اچھا بہانہ ڈھونڈھ لیا تھا کہ حج کے زمانہ مین جو غریب حجاج آئین، اُن کی خبرگیری اور "بلدیہ" کی طرف سے حجاج کی عام "ضیافہ" یعنی ضیافت جس کا عرب کے دیگر حصون مین بھی وہان کے سردارون کی طرف سے عام رواج تھا،

[1] حقیقت مین دائین جانب کے رسالہ کی قیادت خالد بن الولید نے کی تھی اور بائین جانب کے رسالہ کی عکرمہ بن ابی جہل نے، دیکھئے سیرۃ ابن ہشام ص ۵۶۱ [2] ابن عبد ربہ کی العقد الفرید ۲/۴۵ [3] سیرۃ ابن ہشام ص ۸۳، تاریخ طبری ص ۱۰۹۹، طبقات ابن سعد ۱/۱ ص ۴۱، جغرافیہ یاقوت تحت کلمہ مکہ۔

مصارف[1] مین سب مل کر حصہ لین، جو بچت ہوتی ہوگی، اس سے یقینًا سردار کا خزانہ معمور ہوتا جاتا ہوگا، قُصی کا یہ عہدہ خاندانِ نوفل[2] مین متوارث ہونے لگا تھا، اور شاید بی بی خدیجہؓ کی ضرب المثل دولت بھی اسی خاندانی اندوختہ کا نتیجہ ہوگی، یعقوبی[3] نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ قصی نے جب بعض بدعتین اختیار کین، اور حرمِ کعبہ کے قریب رہنے کے لئے عمارتین تعمیر کرلین، تو باہر سے آنے والے حجاج کی ناراضی کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس نے بلدی ضیافت کی تجویز پیش کی تھی[4]، بہرحال جب یہ رواج پڑگیا، تو قُصی اور اوس کے جانشین اس سے فائدہ اٹھاتے رہے، یہ محصول رفادہ کہلاتا تھا،

قُصی کو مال لاوارث کا بھی مستحق تسلیم کرلیا گیا تھا، اور جو اجنبی مکہ میں لاوارث مرجاتے اُن کا مال قُصی ہی کو مل جاتا[5]، شہری مملکتون اور خاص کر میلہ کے زمانہ مین جو عُشر یا محصول درآمد لیا جاتا وہ بھی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ تھا، کہتے ہیں کہ مکہ مین زمانہ ماقبل تاریخ کے عمالقہ[6] بھی عُشر لیا کرتے تھے، جرہم اور قطورا کے دو قبیلون نے مکہ مین مشترکہ یا وفاقی حکومت قائم کی تو بھی انھون نے شہر کے دو حصے کرکے آپس مین بانٹ لئے تھے، اور جس حصہ سے جو تاجر آتا، اُس کا عُشر اسی حصہ والے قبیلہ کو حاصل ہوتا[7]، قُصی کے زمانہ مین اس تقسیم کی ضرورت نہ تھی، اور پورے شہر کا وہ اکیلا سردار تھا[8]، ظاہر ہے کہ خود شہرِ مکہ کے باشندے محصولِ درآمد سے مستثنیٰ تھے[9]، محصولِ درآمد لینے کا یہ رواج عام طور پر عرب کے دوسرے شہرون مین بھی نظر آتا ہے، اور وہ عمومًا سامان کی

[1] محمد بن حبیب کی کتاب المحبّر باب اسواق العرب، مرزوقی کی الازمنہ والامکنہ ۲/۱۶۱ تا ۱۶۶ [2] ابن عبد ربہ کی العقد الفرید ۲/۴۵ [3] تاریخ یعقوبی ۱/۲۷۵، ۲۷۶ تا ۲۷۷ [4] بلاذری کی انساب الاشراف بحوالہ مکہ مؤلفہ لامنس ص ۴۴ [5] دیکھئے منائح الکرم بحوالہ مرآۃ الحرمین ۱/۴۹ [6] سیرۃ ابن ہشام ص ۷۲، ازرقی کی اخبار مکہ ص ۴۷، کتاب الاغانی ۱۳/۱۰۸ [7] طبقات ابن سعد ۱/۱ ص ۳۹ [8] ایضًا

مالیت کا ۱/۱۰ ہوا کرتا تھا[1] ایک مرتبہ مکہ میں سامان بلا محصول درآمد کرنے کا ایک دلچسپ واقعہ ازرقی
نے بیان کیا ہے[2] کہ جب ایک مرتبہ کعبہ میں آتشزدگی ہوئی، اور پھر طغیانی نے اس کو بالکل منہدم
کردیا تو مکہ والوں نے شعیبہ (جدہ) کی بندرگاہ پر طوفان میں آکر ٹوٹنے والے ایک جہاز کو
خرید لیا تھا، اور جہازیوں کو اجازت دی تھی کہ اپنا بچا کھچا مال مکہ لاکر بیچیں، اور ان سے کوئی
عُشر نہ لیا جائے،

قومی معبد پر جو چڑھاوے ہوتے، ان کی حفاظت کے لئے بھی ظاہر ہے کہ ایک افسر
کی ضرورت ہوتی،[3] چنانچہ یہ عہدہ جو اموال مُحجرہ کہلاتا تھا، موروثی طور پر قبیلہ بنی سہم میں
چلا آتا تھا،

آمدنی کا ایک اور ذریعہ جو اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی تھا، یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کوئی
اجنبی شخص کعبہ کی زیارت کو آتا، تو اُسے یا تو کسی مکہ والے کا لباس حاصل کرکے اس میں طواف
کرنا پڑتا، ورنہ اپنے غیر مقدس اور گناہ آلودہ لباس کی جگہ کامل برہنگی کی حالت میں یہ رسم
انجام دینی پڑتی، چاہے مرد ہو کہ عورت،[4] اور ظاہر ہے کہ مکہ والے اپنا لباس مفت نہیں دیا کرتے
تھے، مکہ والوں نے بیرونی حجاج کے قیام وطعام کے لئے بھی مصارف دہندہ مہمانوں کا طریقہ
رائج کرلیا تھا، اور ان کے مہمان انھیں کپڑوں کا جوڑا قربانی کا جانور یا کوئی اور چیز اس کے
معاوضہ میں دیتے تو اسے حریم[5] کا نام دیا جاتا تھا،

نظام عدل گستری مجلس حکومت (یا مجلس شورائے عمومی) اور عدالت میں باہم فرق کرنیکی

[1] محمد بن حبیب اور مرزوقی کی مذکورۂ بالا کتابوں میں باب اسواق العرب [2] ازرقی کی اخبار مکہ
ص ۱۰۶ تا ۱۱۰، [3] ابن عبد ربہ کی العقد الفرید ۲/۴۶ [4] قرآن مجید ۷/۳۱ کی تشریح کسی تفسیر میں خاص کر
تفسیر طبری ۸/۱۲۰ [5] ابن درید کی کتاب الاشتقاق ص ۱۰۱ تا ۱۰۲،

ضرورت ہی، آخر الذکر کا مقصد صرف جرائم کی ذمہ داری اور دعووں میں حقوق کا تعین ہوا کرتا تھا
اور بس، دیگر ممالک کی طرح عرب میں بھی پنچایت اور حکومت دونوں کے لئے ایک ہی لفظ پایا جاتا
تھا چنانچہ لفظ حکم کے معنی حکومت کرنے اور مقدمہ کا فیصلہ کرنے دونوں کے ہیں،[1] ہر قبیلہ کا سردار
اس کا پنچ بھی ہوا کرتا تھا،[2] لیکن بین القبائل جھگڑوں میں بہرحال اس کی ضرورت ہوتی تھی کہ
کسی دو قبیلوں کے لئے اجنبی ثالث سے رجوع کریں چنانچہ مختلف معبدوں کی دیوبانی یا مشہور
پنچوں کے پاس لوگ اپنے مقدمے پیش کرتے، عرب میں کاہن، ہاتف، عائف، ازلام اور
ایسار[3] کے جو تذکرے ملتے ہیں، اُن سے ہمیں ڈیلفی وغیرہ یونانی مندروں کی دیوبانی کی یاد تازہ
ہوجاتی ہے، قصی کے بعد پورے شہر مکہ کے لئے کوئی واحد حاکم عدالت نہیں ہوسکا، جس کا باعث
مختلف قبائل کی رقابتیں اور جھگڑے تھے، انہی کے سبب سے وہ مشہور رضاکاروں کی جماعت قائم
ہوئی جس کا نام حِلف الفضول تھا، اور جس کا مقصد یہ تھا کہ ہر اُس مظلوم کی مدد کیجائے، جو شہر
مکہ کے حدود میں پایا جائے، چاہے وہ وہیں کا باشندہ ہو یا کوئی اجنبی،[4] یہ ممکن تھا کہ حلف الفضول
کا ادارہ ترقی کرکے ایک مستقل نظام کی حیثیت اختیار کرلیتا، لیکن جلدی ہی اسلام کا زمانہ آگیا
جس کے باعث یہ ادارہ غیر ضروری ہوگیا، کیونکہ اسلامی حکومت نے ایک نہایت منظم
مرکزی نظام عدالت قائم کردیا، اور خود عہد نبوی میں پورا جزیرہ نمائے عرب اور جنوبی فلسطین

[1] تفصیلات کے لئے دیکھئے مجلہ عثمانیہ جلد (۱۱) میں مضمون "عدل گستری ابتدائے اسلام میں" [2]
دیکھئے تاریخ یعقوبی ۱/۲۴۰ [3] محمد بن حبیب نے کتاب المحبر میں ایک پورا باب عربی دیوبانی
کے طریقہ کی تفصیل پر دیا ہے،
[4] سیرۃ ابن ہشام ص ۸۵ تا ۸۶، سہیلی کی الروض الانف ۱/۹۰ تا ۹۲، طبقات ابن سعد ۱/ ص ۸۲،
مسند ابن حنبل ۱/۱۹۰،

اس مرکزی نظامِ عدالت کے تحت آچکے تھے[1]۔

اسی سلسلہ مین عہدۂ اشناق کا ذکر کیا جاسکتا ہے، کہتے ہین، کہ یہ موروثی طور پر حضرت ابوبکرؓ کے خاندان مین چلا آرہا تھا[2]، اس کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے[3]، کہ جو کوئی کسی ایسے جُرم یا قابلِ ضمان فعل کا ارتکاب کرے جو قابلِ راضی نامہ ہو تو عہدہ دار اشناق اس بات کا تعین کرتا کہ کس پر اُ کتنی مالی ذمہ داری عائد کیجائے اور پورا شہر اس کے تصفیہ کو مان لیتا، اور ملزم کا خاندان اس ہرجانہ کی ادائی کے لئے چندہ کرتا، یہ رواج اور مقامون پر بھی تھا، چنانچہ ہجرت کے بعد ہی شہری مملکت مدینہ کا جو تحریری دستور جناب رسالت مآب صلعم نے مرتب اور نافذ فرمایا —— اور جس کا متن ایک طویل دستاویز کی صورت میں لفظ بلفظ ہم تک پہنچا ہے[4]، —— اس میں بھی اس طریقہ کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، مجھے معلوم نہین کہ لامنس[5] نے یہ مضحکہ خیز رائے کس ماخذ کی بنا پر قائم کی ہے، کہ عہدہ دار اشناق وہ ہرجانہ یا خونبہا اپنی جیب سے دیا کرتا تھا،

نظام سفارت مکہ کے کشوری نظم ونسق مین ایک آخری لیکن خاصا اہم عہدہ "سفیر و منافر" کا ہوا کرتا تھا[6]، کہتے ہین کہ یہ عہدہ موروثی طور پر بنی عدی یعنی حضرت عمرؓ کے خاندان مین چلا آرہا تھا، ابن عبدربہ نے مختصر اور جامع و مانع الفاظ مین اس کی یون تشریح کی ہے :-

"جب کبھی کوئی جنگ چھڑتی، تو وہ عمر کو اپنا سفیر مختار بنا کر بھیجتے، اور جب کبھی کوئی

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے مجلہ عثمانیہ جلد (۱۱) یا اسلامک کلچر اپریل ۱۹۳۷ء مین مضمون "عدل گستری ابتدائے اسلام مین" اول الذکر زیادہ مفصل ہے [2] ابن عبدربہ کی العقد الفرید ۲/۴۵ [3] ایضاً [4] متن کے لئے دیکھئے سیرۃ ابن ہشام ص ۳۴۱ تا ۳۴۴، ابو عبید کی کتاب الاموال ف ۵۱۷، ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ ۳/۲۲۴ تا ۲۲۶ وغیرہ اور عام تحلیل کے لئے مجلہ طیلسانین جولائی ۱۹۳۵ء مین مضمون "دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور" [5] لامنس کی کتاب مکہ ص ۶۰ تا ۶۰ [6] ابن عبدربہ کی العقد الفرید ۲/۴۵،

بیرونی قبیلہ قریش کی اولیت کو چیلنج دیتا، تو اس وقت بھی عمر ہی کو بطور منافر بھیجا جاتا تاکہ قریش کی طرف سے جواب دیا جائے اور اس جوابدہی مین جو کچھ کہا جاتا، اوس کو قریش مان لیتے"[1]۔

نظام فوج جنگ اور فوج کے سلسلہ مین ہمارے ماخذ مختلف موروثی عہدون کا ذکر کرتے ہین ان مین سے "شامیانہ" اور "لگام" کا ہم اوپر ذکر کرچکے ہین، ان کے علاوہ عقاب، لوآء اور حُلوان النفر کا ذکر کیا جاسکتا ہے،

عہدہ دار عقاب کا مطلب جھنڈا لیجانے والے سے تھا، اور کہتے ہین، کہ یہ عہدہ[2] بنی امیہ مین متوارث تھا، بظاہر یہ وہ عہدہ دار تھا، جو حالتِ امن مین قومی جھنڈے کا متولی و نگہبان ہوا کرتا تھا، اور ضرورت کے وقت اس کو اپنی نگرانی مین لہراتا تاکہ فوجی اجتماع عمل مین آسکے، ورنہ کسی مہم اور عین معرکۂ کارزار مین علم برداری کے فرائض کسی اور کے بھی سپرد کئے جاسکتے تھے[3]، ہمارے مؤلف[4] عقاب اور لوآء مین فرق کرتے ہین، اگرچہ دونون کے معنی جھنڈے ہی کے ہین، لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ ہر ایک علٰحدہ قبیلہ مین موروثی طور سے چلا آتا تھا، ممکن ہے عقاب سے مراد جنگی قومی جھنڈا ہو، اور لوآء، قبائلی جھنڈا ہو، جس کا استعمال اس وقت ہوتا ہو، جب کہ قریش کے ساتھ دیگر حلیف قبائل بھی مہم مین شریک ہون،

ابن عبدربہ نے اپنے اس تذکرہ کو ایک عجیب و غریب عہدہ پر ختم کیا ہے، جس کا بیان ہمین کسی دوسرے مؤلف کے ہان نہین ملتا :-

"حلوان النفر (فوجی اجتماع کا معاوضہ) چونکہ (مکہ کے) عربون پر زمانۂ جاہلیت مین

---

[1] ابن عبدربہ کی العقد الفرید ۲/۴۵ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً،

"کوئی منفرد بادشاہ حکمرانی نہیں کرتا تھا، اس لئے جب کبھی کوئی جنگ ہوتی تو وہاں والے اپنے قبائلی سرداروں میں قرعہ ڈالتے، اور کسی ایک کا انتخاب کرتے، چاہے وہ کمسن ہو یا بڑی عمر کا، چنانچہ یوم فجار کی لڑائی کے موقع پر بنی ہاشم کی باری تھی، اور قرعہ میں حضرت عباسؓ نکلے جو اس وقت بچہ تھے، چنانچہ لوگوں نے ان کو ایک ڈھال پر بٹھایا اور اٹھائے گئے"[1]

مگر یہ توضیح کچھ دل کو نہیں لگتی، میرا خیال ہے کہ حلوان النفر سے مراد یہ فریضہ تھا کہ اگر کسی مہم کے موقع پر کوئی شہری لڑائی میں حصہ لینے سے قاصر رہتا ہو، تو اس کو اجازت تھی کہ اپنا بدل کسی اور شخص کو روانہ کرے،[2] ممکن ہے کہ اس اجازت اور بدل کا انتخاب اور اس کا معاوضہ اور ہتھیار اور سامان سفر کی فراہمی کی نگرانی حلوان النفر کے عہدہ دار کے فرائض میں داخل ہو، ورنہ اجتماع کے معاوضہ اور بادشاہ اور فوج کی سپہ سالاری میں کوئی ربط نظر نہیں آتا،

یہاں اس بات کا موقع نہیں ہے، کہ قریش کے فوجی نظام[3] اور قانون جنگ و ناطرفداری کے اصول و نظائر کی تفصیل دیجائے، یہاں صرف ایک سرسری اشارہ چند چیزوں کی طرف کیا جاتا ہے، "مرباع" سے مراد مال غنیمت کا چوتھائی حصہ ہوتا تھا، جو مہم کے سردار کو ملتا، باقی تین چوتھائی عام سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جاتا، "فضول" سے مراد ناقابل تقسیم کسرات ہوتے تھے، "نشیطہ" سے مراد وہ مال غنیمت تھا، جو دشمن کی شکست اور عام لوٹ سے پہلے حاصل ہو، اور "صفی" سے مراد وہ

[1] ابن عبد ربہ کی العقد الفرید، ۲/۹۴ [2] سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں جنگ بدر کے سلسلہ میں ابولہب کا اپنی جگہ کسی اور کو بھیجنا اور دیگر مواقع پر دیگر نظائر کا پیش آنا مروی ہے [3] اس نظام کی چند تفصیلوں کیلئے دیکھئے مسعودی کی التنبیہ والاشراف ص ۲۰۵ تا ۲۰۸،

منتخب چیز مثلاً کوئی تلوار وغیرہ ہوتی تھی، جو مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے مہم کا سردار اپنے لئے چن لینے کا مجاز ہوتا تھا، اور مرباع، فضول، نشیطہ اور صفی وہ امتیازات تھے جو کسی قبائلی لوٹ کی مہم کے قائد کو حاصل ہوتے تھے،[1] راس الحجر التمیمی، القعقاع التمیمی، اور زرار بن الخطاب الفہری کا ذکر ابن درید[2] نے ان لوگوں کی فہرست میں کیا ہے جنھیں زمانۂ جاہلیت میں مرباع لینے کا حق حاصل ہوتا تھا،

یہاں لامنس[3] کے ان تمام دلائل کی نقل کیجانی ممکن نہیں جو اس نے اپنے اس دلچسپ دعوی کی تائید میں پیش کئے ہیں کہ مکہ والوں نے حبشی غلاموں اور تنخواہ یاب نوکروں کی ایک مستقل فوج قائم کر رکھی تھی، اس کے مقالے میں کافی حوالے دئیے گئے ہیں، لیکن اس قابل مگر بدقسمتی سے بیحد متعصب اور غیر ہمدرد یسوعی (Jesuit) پادری کا منشا، اس پوری کاوش سے صرف یہ ثابت کرنا تھا، کہ قریش ایک نہایت بزدل قوم تھی، جو لڑائی سے جی چراتی تھی، لیکن چونکہ اس کے تجارتی مفادات بہت پھیلے ہوئے تھے، اس لئے اپنے مواصلات کی حفاظت کے لئے انہیں قوت کی ضرورت تھی، اسی لئے انھوں نے غلاموں اور تنخواہ یاب لوگوں کی ایک فوج قائمہ مکہ میں تیار کر لی تھی، نپولین جیسے فاتح کو ابتدائی مسلمانان مکہ کی عظیم الشان فوجی فتوحات[4] پر رشک آتا تھا،[5] تو محض ایک متعصب یسوعی پادری کا خالد بن الولیدؓ سعد بن ابی وقاصؓ اور ابو عبیدہؓ جیسے مکہ والوں تک میں کسی بہادری کا نظر نہ آنا شپرہ چشمی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے،

سماجی نظام یونان والے اجنبیوں کو "باربار" یعنی بربریت پسند کہتے تھے، اور یونانی زبان

[1] مرزوقی کی الازمنہ والامکنہ، ۲/۲۳ [2] کتاب الاشتقاق ص ۹۴، ۱۴۵، ۲۱۸، [3] لامنس کا مضمون احابیش اور مکہ کا فوجی نظام قرن ہجرت کے وقت" فرانسیسی رسالہ ژورنال آزیاتیک ۱۹۱۶ء میں اسی مؤلف کی فرانسیسی کتاب مغربی عرب ص ۲۳۷ تا ۲۹۳ میں [4] دیکھئے اوپر اس مضمون کی تمہید [5] دیکھئے نپولین کی نوشتہ فرانسیسی یادداشت جزیرہ سینٹ ہیلینا ۳/۱۸۴،

مین دشمن کے لئے جو لفظ پایا جاتا ہے، اس کے لغوی معنی بھی اجنبی ہی کے ہین[1] اس کے برخلاف عرب اجنبیون کا ذکر کرنا چاہتے تو عجمی کی بے ضرر اصطلاح استعمال کرتے، جس کے لغوی معنی ہین گونگا تاکہ اجنبیون سے اپنے آپ کو ممتاز کرین، چنانچہ لفظ عرب کے معنی ہین فصیح اور من چلا، اس کے باوجود عرب مین بھی اور یونان مین بھی ہر جگہ اجنبی آتے رہتے، بلکہ بستے بھی رہتے۔

یونان مین وہ اجنبی جو وہان آکر مقیم ہو جاتے تھے، شہریون اور غلامون کے بین بین ایک خاص طبقہ قائم کرتے تھے، ان کو اصطلاحاً میٹک MATIC کہا جاتا تھا[2] یہ MATIC لوگ اور ان کے خاندان ان تمام حقوق سے مستفید ہوتے تھے، جو شہریون کو حاصل تھے، البتہ انھیں نہ تو کوئی سرکاری عہدہ مل سکتا اور نہ وہ شہری انتخابات مین کوئی رائے دے سکتے، اور نہ کسی اراضی کے مالک ہی ہو سکتے، ان مین سے ہر ایک کیلئے یہ ضروری ہوتا کہ کسی شہری کو اپنا سرپرست بنائین، جو ان کے چال چلن کی ذمہ داری لے، ان کو سالانہ فی کس براہ راست بارہ درہم مرد کے لئے اور چھ درہم غیر شادی شدہ عورت کیلئے محصول بھی دینا پڑتا، ان چیزون کو چھوڑ کر اور باتون مین انھیں شہریون کی برابری حاصل ہوتی تھی، چنانچہ وہ اپنی مسکونہ شہری مملکت کی فوج مین شریک ہو کر جنگ کر سکتے تھے، اور انکی تمام مذہبی پبلک تقریبون مین حصہ لے سکتے تھے"[3] عرب مین جو اجنبی آکر سکونت گزین ہو جاتے، ان کو "مولا" کا نام دیا جاتا تھا، عرب اور خاص کر مکہ والون کے موالی کے ساتھ یونان کے مقابلہ مین کم سختی کا سلوک ہوتا تھا چنانچہ ان پر کوئی خصوصی محصول عائد نہین کئے جاتے تھے، اون کو اور ان کے سرپرستون کو جملہ شہری حقوق حاصل رہتے تھے، مساوات کی حد یہ تھی، کہ اجنبی اور اس کے سرپرست

[1] انسائیکلوپیڈیا آف سوشیل سائنس کی جلد اول کا دیباچہ نیز Roth کا جرمن مضمون لفظ بار بار کا مفہوم اور استعمال مطبوعہ نورمبرگ ۱۸۱۴ء [2] ہیالیڈے کی مذکورہ بالا کتاب ص ۲۴، ۱۱ [3] انسائیکلوپیڈیا آف سوشیل سائنس جلد اول کا دیباچہ فصل "شہری مملکت کا تسلط"۔

دونون کے لئے ایک ہی لفظ مولا استعمال کیا جاتا تھا، البتہ یہ تحدید بداہتہ پائی جاتی تھی، کہ کوئی اجنبی متوطن کسی اور نئے اجنبی کو اپنا مولا بنانے کا اور اپنی سرپرستی مین لینے کا مجاز نہ تھا، اس پابندی سے قطع نظر ہر اجنبی متوطن اپنے سرپرست کے خاندان کا ایک رکن بنجاتا، اور اوسے وہ سب حقوق حاصل رہتے جو کسی اصلی شہری کو حاصل تھے البتہ کسی نئے اجنبی کو اپنی پناہ مین لینے سے پہلے اُسے خود اپنے سرپرست کی اجازت ضروری ہوتی[1]، اصل مین عرب یہ چاہتے تھے کہ اورون کو اپنا لین، اور عرب بنا ڈالین[2] اس کے برخلاف یونانیون کو ان کے فلاسفہ نے کہہ رکھا تھا، کہ قدرت ہی کا یہ منشا رہے، کہ اجنبی یونانیون کے غلام بنین[3]، مزید بران یونان مین:-

"کسی سیاسی وحدت کے ارکان مین اتحاد ابتداءً اسلئے ہوتا تھا، کہ وہ ہم جد ہوتے تھے، اور ہم مذہب ہوتے تھے، وہان کا سماج برادریون مین بٹا ہوا تھا یعنی رشتہ دار خاندانون کے گروہ الگ الگ وحدت بناتے تھے، اور یہ تمام برادریان ایک مزعومہ ہم نسبی کے باعث ایک بزرگ تر اتحاد مین شامل ہو جاتی تھین، جسے قبیلہ کہا جاتا تھا، خون کا رشتہ مذہبی رشتہ کے باعث مستحکم تر ہو جاتا تھا[4]"

مکہ کا اندرونی نظام اس سے بہت زیادہ پیچیدہ تھا، کیونکہ وہان حسب نسب کو غیر معمولی سماجی اہمیت حاصل تھی، ہر قبیلہ مین ہر دس دس آدمیون پر ایک "عریف" ہوا کرتا، جس طرح روما مین Decurion) اور کہتے ہین کہ ہر "سو" کا سردار قائد کہلاتا تھا، (جس کا مماثل روما

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۲۵۱، تاریخ طبری ص ۱۲۰۳ [2] تفصیلات کے لئے دیکھئے حمید اللہ کی فرانسیسی کتاب "اسلامی سیاست خارجہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ مین" ۱/۲ [3] ارسطو کی کتاب سیاسیات ۱/۲ و ۱/۴ جس کا حوالہ لارنس نے اپنی انگریزی کتاب "قانون بین الممالک کے اصول" مین بھی دیا ہے [4] ہیالیڈے کی مذکورہ بالا کتاب صفحہ ۱۱۱ تا ۹،

وہاں قبیلہ، بطن، فخذ، شعب[1] وغیرہ کی شاخ در شاخ Commonwealth ہو سکتا ہے) مین

تنظیم و تقسیم پائی جاتی تھی، جن کی تفصیل عرب مولفین کے حوالہ سے وستن فیلڈ نے اپنی جرمن کتاب

جدو اماے نسب عرب کے اشاریہ کے دیباچہ مین بھی دی ہے،

اسلام سے پہلے مکہ والون مین مذہبی وحدت نہین پائی جاتی تھی، اسی طرح وہان کوئی

مقدس کتاب یعنی تحریری قانون بھی نہین پایا جاتا جس کی تعمیل سب کر سکین، چنانچہ مکہ والون

مین بت پرست، مشرک، ایک سے زیادہ خداؤن کو ماننے والے، خدا کو نہ ماننے والے، بلکہ

خود لا مذہب اور دہریے بھی پائے جاتے تھے، ان کے علاوہ مجوسی، یہودی یا عیسائی مذہب بھی

مختلف لوگون نے اختیار کر لیا تھا، بہرحال وہان کے عوام تمدن کے اس درجہ تک ضرور پہونچ

چکے تھے، کہ ایک مشترک اور سب سے بڑے خدا کو بھی مانین، جو چھوٹے چھوٹے قبائلی دیوتاؤن سے بھی

بزرگ و برتر ہو، اور اوس کو وہ اللہ کے نام سے پکارتے تھے،

سیاسی شعور بھی اس حد تک ترقی کر گیا تھا کہ ہر شخص ملکی مفاد کو شخصی مفاد پر ترجیح دینا ضروری

سمجھتا تھا، چنانچہ جب غیر متوقع طور پر مکہ والون کو غزوۂ بدر مین شکست ہوئی تو اونھون نے اس قافلہ

کا پورا منافع (جو عین اسی زمانہ مین شام سے ابو سفیان کی سرکردگی مین واپس آیا تھا، اور جس مین

شہر مین بسنے والے تقریبًا ہر قبیلے کا سرمایہ لگا ہوا تھا) جنگی تیاریون کے چندے مین دیدینا

منظور کر لیا[2]،

مکہ والے اپنے نوزائیدہ بچون کو کسی صحرا مین بدویون کے ہان بھیج دیا کرتے تھے، جہان

وہ بدویون کے ہاتھون پرورش پاتے تھے، صحرا کی پاک و صاف اور سادہ زندگی مین پلنے سے

[1] یہ اصطلاحات جسم انسانی کے مختلف اعضا کے بھی نام ہین اور شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہے، کہ بنی آدم اعضائے یک دیگرند [2] سیرۃ ابن ہشام ص ۵۵۵ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۵ و مابعد،

ان مین بدویون کی بہت سی خوبیان آجاتین اور شہریون کی مخلوط آبادی کی بہت سی برائیون سے

وہ بچپن کی تاثر پذیر عمر مین محفوظ رہتے، خود آنحضرت صلعم نے بھی اپنی ابتدائی زندگی کے چند سال

اسی طرح گذارے تھے، یہان مماثلت کے لئے ان قوانین کی یاد تازہ کرائی جا سکتی ہے، جو مثلًا

لائیکرگس نے یونان کے شہر اسپارٹا مین نافذ کئے تھے، اور جو اگرچہ انتہائی وحشیانہ تھے، مگر ان کا

منشا بھی نئی نسلون کی ذہنی اور جسمانی تربیت ہوتا تھا،

کہتے ہین کہ یونانی طبیعت کی امتیازی خصوصیت علم کی محبت تھی، جس طرح کہ فینیقیا اور

مصر والون کا امتیازی خاصہ دولت کی محبت تھا، (ہندوستان مین بھی لکشمی یعنی روپئے کی اب

بھی باقاعدہ پوجا ہوتی ہے) اس کے برخلاف قریش یعنی باشندگان مکہ کی امتیازی خصوصیت

فنون لطیفہ اور ادبیات کی محبت معلوم ہوتی ہے، غالبًا یہی فن نوازی تھی، کہ عتبہ بن ربیعہ

ابن عبد شمس نے مکہ مین ایک دار القواریر (شیش محل Crystal palace) تعمیر کیا تھا[1]، شعر و

شاعری ان کا اوڑھنا بچھونا ہو چلا تھا، چنانچہ بیت، مصرع، اسباب، اوتاد، فواصل کسی

ڈیرے اور اوس کے مختلف اجزا کے بھی نام تھے، اور بیت اس کے مختلف حصون کے بھی[1]،

زندگی کا مقصد یونانی فلسفیون کی نظر مین دنیاوی آرام تھا[2]، یہان شاید ان قرآنی آیتون کا

حوالہ دلچسپی سے پڑھا جائیگا، جس مین اسلام سے پہلے کے عربون کا مقصد زندگی اور خود اسلامی تصور حیات

اس خوبی سے پیش کیا گیا ہے:

"ان مین سے چند ایسے ہین جو کہتے ہین اے ہمارے رب ہمکو اس دنیا مین بھلائی عطا کر، انکو آخرت مین کوئی حصہ

نہین ملیگا، لیکن انہین سے بعض دوسرے ہین جو کہتے ہین کہ اے ہمارے رب ہمکو اس دنیا مین بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت

مین بھی بھلائی اور ہمکو آتش دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ، انکو انکی کمائی کا حصہ ملیگا، خدا حساب کتاب لینے مین بہت تیز ہے"[3]

[1] بلاذری کی فتوح البلدان مطبوعہ مصر ص ۶۳ و ۴۸۰ [2] ارسطو کی کتاب سیاسیات ج ۱ ص ۲۳ [3] قرآن مجید ۲: ۲۰۰ تا ۲۰۲

یادِ پاستان

از

جناب مولوی مقبول احمد صاحب صمدنی

(۲)

تواریخ کشمیر (۳) نمبر ۲۲ و ۲۳ دونون کو ڈاکٹر صاحب نے تاریخ کشمیر سے نامزد کیا ہے، لیکن مصنفون کا نام نہین بتا سکے، فرماتے ہین کہ نام مذکور نہین! کہان؟ مقصود فی الذہن شاید طبقاتِ اکبر شاہی ہو،

کشمیر پانچ چھ صدیون تک مسلمانون کے زیرِ حکومت رہا ہے، مسلمان بادشاہون نے وہان کے علماء و فضلا و شعراء و صلحا اور اہلِ کمال کی بلا امتیاز دین و ملت برابر پرورش و دستگیری فرمائی ہے، اکثر علوم و فنون کی قابلِ قدر و کار آمد تصانیف اور ترجمے ان کے زیرِ اثر جلوہ پیرا و دانش افروز ہوئے ہین (آئینِ اکبری، جلد دوم، ص ۱۸۵) انہی زندہ دل بیدار بخت ہنر پرور سلاطین کی ترغیب و تشویق سے اس ملک کی بہت سی تاریخین عربی و فارسی مین لکھی گئی تھین، جن کا شمار حسب روایت بہارستان کشمیر (قلمی، صمدنیہ) پچیس چھبیس تک اوس وقت پہونچتا تھا، قصائد و منظومات اور متفرق منشآت کا حصر و احصاء کون کر سکتا ہے، اس مین موافق و مخالف دونون رنگ کا کلام ملتا ہے،

ہند کے بڑے سے بڑے مستطیع شعراء مین کتنے ایسے ملتے ہین، جو کشمیر نہین گئے، یا وہان نہین رہے اور وہان کی قدرتی رنگینیون سے متاثر و محظوظ نہین ہوئے، ملک الشعرائے شاہجہانی کلیم ہمدانی، مولانا طاہر غنی، ملا علی قلی سلیم، مرزا صائب اصفہانی وغیرہم کے دیوانون کو ملاحظہ کیجئے، کشمیر کے متعلق انکی رنگین نوائیون سے لطف اوٹھائیے،

عرفی کا قصیدہ بغایت شہرت سے محتاجِ اعادہ نہین، یاد دلانے کے لئے دو تین شعر پڑھ دینا چاہتا ہون، گوشِ دل کچھ دیر تو شیرین کام رہین،

مطلع:- ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر درآید ... گر مرغ کباب ست کہ با بال و پر آید

کشمیر کی شادابی و نزاہت اور وہان کی آب و ہوا کی جان بخشی اور روح پروری کی توصیف مین اس سے بڑھکر کیا کہا جاسکتا ہے،

بنگر کہ ز فیضش چہ شود گو ہر کمتیا ... جائے کہ خزف گر رود آنجا گہر آید

مقطع:- می آید و می سوزد ازین رشک کہ کشمیر ... چون یافت کہ آید بہ کجا بر اثر آید

(قصائدِ عرفی نول کشوری، صفحات ۷۸ تا ۸۹)

ملک الشعرائے اکبری شیخ فیضی کا طویل قصیدہ کشمیر کی تعریف مین میری تحریف سے بے نیاز ہے، وہ والہانہ صدا لگاتا ہے،

ہزار قافلۂ شوق می کند شب گیر ... کہ بارِ عیش کشاید بہ عرصۂ کشمیر[۱]

قاضی نور اللہ شوستری نے بھی مجالس (صفحہ ۵۱) مین کشمیر کی توصیفی رباعیان نقل کی ہین ظفر خان کے خطاب سے مشہور، احسن اللہ نام، احسن تخلص[۲]، عہد شاہجہانی مین دو بار کشمیر کا گورنر رہا تھا، خوانین دربار اور مقربین شاہی سے تھا، مرزا صائب اسی سے ملنے کے لئے اصفہان سے کابل آئے تھے[۳]، اس نے کشمیر کی تعریف مین ایک مثنوی نظم کی تھی، محمد اعظم صاحب واقعات کشمیر

---

[۱] ذکر نامہ، جلد سوم، صفحہ ۵۰، [۲] احسن کا یہ شعر بہت مشہور و مقبول ہے:-

زہد خشکم چنگ و نے را در خروش آورد و ست ... توبہ من خونِ مینا را بجوش آورد و است

(تذکرہ حسینی ص ۱۸۹)

[۳] سرو آزاد صفحہ ۹۶،

اس کو تہمت شیرین بتاتے اور فرماتے ہین، کہ اس نے اس ملک کی توصیف مین بہت کچھ لکھا ہے[۱] لیکن مین اسکی دستیابی سے محروم رہا، صرف ایک رباعی ملی ہے، وہ بھی کشمیر کی مدح مین ہے،

جہان جوان شد و عقدِ بہار می بندد — بہار پائے چمن در نگار می بندد

مسافران چمن نارسیدہ در کوچ اند — شگوفہ می رود و شاخ بار می بندد (صفحہ ۲۰۹)

کسی اور خوشگو سخن سنج کا بھی ایک شعر یاد ہے، جو تذکرۂ بالا کتاب مین دیکھا تھا،

خوشا کشمیر و سیرِ زعفران و چیدنِ گلہا — خزان گردد بہارِ خلد ار بیند خزانش را (صفحہ ۲۰۷)

اسی سخن شناس مورخ نے خواجہ احسن اللہ راضی، عرف فصاحت خان کی مثنوی سے چند اشعار نقل فرمائے ہین :-

ندارد خلد با کشمیر نسبت — عیان است این بر اربابِ بصیرت

درین گلشن ز رندانِ قدح نوش — کہ چون بحر اند دائم بہ سرِ جوش

چنان مے ہر طرف آب سبیل است — کہ دریائے کدو چون نارجیل است

چنان در شہر و کویش آب جاری است — کہ ہر یک خوردہ او جویباریست

درین گلشن مپرس از چہرہ سبزان — پری بار آورد باغِ سلیمان

ترا و د چہرۂ سبزان بصد زیب — مفرح دار کیفیت ز ترکیب

چو مے خانہ است دائم بسکہ شاداب — بود ہر گل زمینش عالمِ آب

بوصفِ این زمین در پیشِ جمہور — کہ تمثیلے بود این بیت مشہور

بہشت آنجاست کازارے نباشد — کسے را با کسے کارے نباشد

ز شور انگیز چندے بے نمک شد — ز لوحِ سینہ نقشِ عیش حک شد

---

[۱] ترجمہ واقعات کشمیر صفحات ۲۰۸ و ۲۰۹ مطبوعہ ۱۸۴۶ء، دہلی،

عجب ہنگامہ گردید ظاہر — ز جنگِ شیعہ و سنی و کافر

کشمیر کی خوبیون، دلکشیون، اور نظر فریبیون کے ساتھ ساتھ، اخیر کے دو شعرون مین یہان کے باشندگان کی باہمی نا اتفاقیون، ہندو مسلمان، شیعہ سنی کے جھگڑون اور صف آرائیون کی طرف اشارہ ہے، تفصیل آیندہ آئے گی،

واہ رے کشمیر! کسی فاقہ مست دل جلے نے اس کی مدح کے پیرایہ مین ہجو ملیح بھی کر ڈالی، اور حیرت یہ ہو کہ فرشتہ بھی اسکی ہان مین ہان ملاتا ہے:

کسانے کہ آفاق گردیدہ اند — بسے سال دمہ در سفر بودہ اند

بہ تعریفِ کشمیر و کشمیریان — بہشتے پُر از دوزخے دیدہ اند

(جلد دوم، صفحہ ۴۴۳، نولکشوری)

شیخ علی حزین اصفہانی کی نزاکتِ طبع اور ناسازگاری مزاج چھپی ہوئی بات نہین[۱] اقلیم چہارم کی اس بہشت کو دیکھکر یا محض سُن کر اُن کا نچلا بیٹھنا دشوار تھا، کشمیر کے متعلق شیخ نے اچھا بُرا جو کچھ لکھ مارا، ان کی بشری جبلت کا تقاضا تھا، اور صفحۂ ہستی پر مدتون ثبت رہے گا، دو قدح

---

[۱] ہند اور اہلِ ہند کی ہجو کہہ کر حقِ نمک ادا کرتے ہین،

نسناس سیرتے است تمنائے مردمی — از دیولاخ ہند کہ انسان نداشتہ است

سوادِ ہند خاطر خواہ باشد بے کمالان را — نماید خانۂ تاریک، روشن چشمِ عریان را

مشنو فسونِ زہد کہ در تیرہ خاکِ ہند — ہر کس نیافت دولتِ دنیا فقیر شد

(خزانۂ عامرہ صفحات ۱۹۴ الغایۃ ۲۰۰ و سرو آزاد صفحہ ۲۲۵ و کلیاتِ حزین صفحات ۲۴۲ و ۲۶۵ و ۲۴۷ بالترتیب، مزید برین ملاحظہ ہون اشعار و رباعیات صفحات ۵۳۶، ۵۶۹، ۶۶۲، ۶۰۱، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۰۱، ۶۶۴، ۶۷۷، و ۶۲۵)

کرکے اچھے، پاکیزہ دلوں کو بُرا کر دینا آئینِ دانش مندی و مصلحت شناسی سے بعید ہے،

مجھے تسلیم ہے کہ بہت کم کتابیں نظم کی ہوں یا نثر کی، سیاحت نامے اور سوانح، شعرائ کے ہوں یا سلاطین و امرا کے ہم کو ایسے ملتے ہیں جن میں کشمیر، فضائے کشمیر، جغرافیۂ کشمیر یا فرمانروایان کشمیر کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھا نہ ہو، اکبر نامہ (جلد سوم، صفحات ۵۲۵ و ۵۲۶ و ۵۰۰) تاریخ فرشتہ ملا قاسم (جلد اول، صفحہ ۲۱۱) منتخب تنقیح الاخبار از راجہ کندن لال بہادر اشکی (صفحہ ۶۵) جہانگیر اور تزک جہانگیری مولینا شبلی (صفحہ ۱۰) بہارِ گلشنِ کشمیر مرتبہ پنڈت برج کشن کول و پنڈت جگموہن ناتھ رینا وغیرہ کی ورق گردانی اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے، مگر یہاں ضرورت ہے تاریخوں کی تفصیل کی،

زندگی کی اخیر منزل ہے، ضعف قوا، اور غلبۂ نسیان نے مجھے معذور و ناکارہ بنا رکھا ہے تاہم اپنی دیکھی ہوئی کتابوں میں سے اس وقت یا آئندہ جو یاد آتی جائیں گی، کاغذ سیاہی نذر کردوں گا، ع

کفِ خاکم غبارے می نویسم

البتہ اندیشہ ہے کہ حرب و ضرب کے ذیل میں کوئی مستقل چیز دستیاب نہ ہوسکے گی،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷) بیچارے کشمیری ان کی زبان، قلم اور طنز و طعن سے کیسے محفوظ رہ سکتے تھے،

ایک اور حریف میدان میں آتا ہے حیدری تبریزی نام ہے، دربار اکبری کا باریاب و باکمال شاعر ہے نغمہ سرا ہے

در کشورِ ہند شادی و غم معلوم — آں جا دل شاد و جان خوش کم معلوم

جائے کہ بیک روپیہ آدم نہ خرند — آدم معلوم و قدر آدم معلوم

میر غلام علی آزاد بلگرامی ان کی نسبت جواباً فرماتے ہیں:-

در کابل تپاں دل بد خوش خاں کند — ہم چوں مغل شکایتِ ہندوستان کند

(خزانہ ص ۱۸۸)

یہ خالی رہے گی، اس محرومی و ناکامی کی بنیاد نیز ذمہ داری مغلوں کے نمک خوار پروردہ نعمت مگر بد اندیش و زشت گو نکولا منوچی کی ایک روایت ہے، اور اوس روایت کو مسٹر ملک راج شرما نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:-

"اکبر نے حکم دیدیا، کوئی کشمیری فوج میں بھرتی نہ کیا جائے، یہ لوگ سپاہیانہ اوصاف سے محروم ہیں۔"

(ہندوستان عہد مغلیہ میں، حصہ اول صفحہ ۱۱)

شاباش! یار عزیز شاباش!! اکبر ناآگاہ دل، نامردم شناس سہی، لیکن منوچی! تم نے تو دیکھا ہوگا کہ تمہارے ہی زمانہ میں اہل کشمیر کی زندگی کیسی تھی، ان کی باہمی پیکار و جدال، جنگ جوئی، طوائف الملوک کی چڑھائیاں، لڑائیاں، خونریز مقابلے تمہارے علم میں ہوں گے، یہ قوال ہند و تبت والوں سے کاشغر والوں سے، کابل و بدخشاں والوں سے، سرحدی و ہمسایہ ممالک کے لوگوں، فوجوں اور لشکروں سے ہمیشہ برسر نبرد رہے ہیں، خود اکبر نے بھی ان سے آسانی کیساتھ یا جلدی سے کشمیر چھین نہیں پایا تھا، دانت کھٹے ہوگئے ہوں گے، کشامرہ کی بہادری و شجاعت کے کارنامے نہ اکبر کے صلوں کے منتظر و محتاج ہیں، نہ تمہاری ستائش و آفرین کے لئے چشم براہ "سپاہیانہ اوصاف" کا معمہ نہ اکبر نے بوجھا نہ تم نے، میرے اچھے منوچی! اسچے منوچی!! اس جلنے بھننے سورج کی کرنیں کبھی ان ہی اوراق پر پڑیں گی، تو کھل جائے گا، ع

کہ با کہ باختہ نرد در شب دیجور

پنڈت کلہن کی راج ترنگنی اور ان کے تلامذہ و اتباع کے اضافے، جو کچھ ہیں اور جیسے کچھ ہیں کسی ہوشمند بالغ نظر سے پوشیدہ نہیں تاہم عامۂ اہل ذوق و صاحبانِ شوق کی اطلاع و

---

[1] ترجمہ واقعات کشمیر، صفحات ۴۸ و ۶۵ و ۷۵ و ۹۲ و ۱۰۸ و ۱۲ و ۱۱۳ و ۱۱۲ و ۱۴۴ و ۱۶۰ و ۱۸۱ و ۱۸۳ و ڈکشنری از بیل صفحات ۲۴۴ و ۲۶۱،

آگاہی کے لئے اس تالیف اور اس کی روشِ تالیف یعنی تالیف کے چڑھاؤ اُتار کا مختصراً گذارش
کر دینا مناسب سمجھتا ہون، اسی سے اسکے تراجم کی کیفیت و نوعیت نیز انکی اہمیت کا اندازہ ہوسکیگا
پنڈت جی کشمیری تھے، ایک باکمال اختر شناس (جوتشی) چمپک برہمن کے بیٹے تھے،
راج ترنگنی، راجگانِ کشمیر کی تاریخ سنسکرت مین لکھی، اور بڑے اہتمام سے لکھی، چار دفتر
آٹھ بابون مین منقسم ہے چارون منظوم ہین پہلا حصہ اشلوکون مین خود موصوف کی تالیف اور تقریباً ۱۱۴۹ء
تک کے حالات مین ہے، یہ راجا بھکشا یا راجہ سنگھ دیو کا عہدِ حکومت (۱۱۲۸ء سے ۱۱۵۹ء تک) تھا،
جس کی فرمایش سے اس کتاب کی تدوین عمل مین آئی، مسلمان مورخ اس کو جے سنگھ کے نام
سے یاد کرتے ہین، دوسرا اس کا تتمہ ۱۴۱۲ء تک کا جون راج (جون راجا یا جین راجا)
زین العابدین عرف بڈشاہ[۱] کے عہد کے ایک مورخ نے لکھا، اسکی کتاب راجاولی عرف زینہ
ترنگنی کہلاتی ہے، اس مین ۱۱۴۹ء سے لیکر ۱۴۵۹ء تک کے حکمرانون کے حالات مندرج
ہین، بادشاہ کے حکم سے راج ترنگنی کا سلسلہ قائم رکھنے کے لئے لکھی تھی، تیسرا حصہ یعنی دوسرے
کا ضمیمہ سری ورا (شری ور) پنڈت نے جو جون راج کے شاگرد تھے، قلمبند کیا، یہ بھی زینہ راج

---

[۱] زین العابدین بڈشاہ یعنی بڑا بادشاہ درحقیقت بڑا بادشاہ تھا، اوس نے علوم و فنون شریفہ کی بڑی
سرپرستی کی، فارسی زبان کو بہت کچھ سنوارا، فروغ دیا، کتب خانے اور مدرسے قائم کئے، نصاب
تعلیمات مرتب فرمایا، بڑے بڑے انعامات دیکر کشمیر کے ادیبون اور عالمون سے کتابین لکھوائین،
سنسکرت کی بعض مشہور اور پرانی کتابون کا فارسی مین ترجمہ کرایا، جیسے رامائن، مہابھارت، برہت کتھا،
بھگوت گیتا وغیرہ، راجہ جے سنگھ (جس کے وقت تک کشمیر کی یہ تاریخ راج ترنگنی لکھی جاچکی تھی) کے عہد
سے اپنے زمانہ تک کا سنسکرت مین ضمیمہ لکھوایا، پھر اس کا ترجمہ فارسی مین کرایا، (تاریخ کشمیر مترجم
اشرف علی صفحات ۹۵ و ۱۰۶ و ۱۰۸ و ۱۱۰ و ۱۱۲)

ترنگنی کے نام سے مشہور ہے، یہ جزو بعہد سلطان فتح شاہ والی کشمیر ۸۹۹ھ (۱۴۹۴ء)
مین لکھا گیا تھا، اس مین پانچ مسلمان بادشاہون کا ۱۴۸۶ء تک کا ذکر ہے، کہا جاتا ہے کہ ۹۹۰ھ
(۱۵۸۶ء) کے ذیل مین محمود غزنوی کا حال بھی موجود ہے، جرنل رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن
۱۹۱۲ء نے کشمیری کتابون کی ایک فہرست دی ہے، جو مسٹر کلاسن (Gerard L. M.
Clauson) نے مرتب فرمائی تھی، صفحہ ۵۹۸ مین لکھا ہے کہ بھٹ ہرک (Bhatta-
Haraka) نے بھی کچھ اضافے فرمائے تھے، یہ سب کشمیر کی دولتِ اسلامی کی بدولت ہوا، اور
ہوتا رہا ہے ع

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

پنڈت کلہن ۱۱۵۰ء یعنی سنگھ دیو والی کشمیر کے زمانہ تک زندہ تھے، تالیف شروع کرنے سے
پہلے اُس ملک کی گیارہ تاریخین ملاحظہ فرما چکے تھے، خردمند آگاہ دل نیل مُنی کی شہرہ آفاق تاریخ
نیل مت پُران بھی آپ کے مطالعہ مین آچکی تھی، جو سب سے پُرانی تاریخ سمجھی جاتی ہے، کلہن مہاراج
نے اپنی کتاب کو اپنے ملک کی قدیم روایاتی، اعتقادی افسانوی تاریخ سے شروع کیا ہے، پہلا
بادشاہ گونارڈ (گونند؟) کو بتاتے ہین، جو ان کے حساب سے ۲۴۴۸ سال قبل حضرت مسیحؑ حکمران
رہا ہوگا، آخری فرمانروا انہی کے وقت کا راجہ ستیہ دیو (سہدیو؟) عیسوی ۱۱۵۰ء کے قریب تھا،
(بیل کی ڈکشنری، صفحات ۱۳۹ و ۱۴۰)

یورپ کے عام مصنفین کی تقلید مین صاحبِ سیف و قلم کرنل ٹاڈ بھی اس کے مدح سنج
و ثناگستر ہین، اس پر کوئی تنقید یا نکتہ چینی نہین کرتے (تاریخ انگریزی، مرتبہ ولیم کروک ۱۹۲۰ء
ص ۶۱) ہوسکتا ہے، کہ اپنی تاریخ کی تالیف کی مشغولی مین ان کی نظر راج ترنگنی کی مخالف تحریرات
پر نہ پڑی ہو، ساتھ ہی یہ بھی رازِ طشت از بام ہے، کہ کرنل صاحب کے زمانہ تک تاریخی باتون اور

ہندوستان کی پرانی تاریخون کے متعلق اس قدر چھان بین ہی نہیں ہوئی تھی، جس کی مشق دور حاضر
مین خود آنجہانی کی مبسوط و مشرح کتاب پر کی جارہی ہے، با این ہمہ ہمارے ایک مقامی پروفیسر
"مورخ راج ترنگنی کو ایک قیمتی ذریعۂ معلومات" بتاتے ہین، (عصر وسطیٰ کی ہندوستان کی "تاریخ کی
تمہید از پنڈت ایشری پرشاد)

واجب التعظیم پنڈت نے اپنے پیشرو مورخین کو ادب و احترام مناسب کے ساتھ یاد نہین کی
ان کی غلطیان اور لغزشین بیان ساختہ و بے ساختہ سپرد قلم کر دی ہین،
ان کا اپنے متقدمین کو ناسزا کہنا رنگ لائے بغیر نہ رہ سکا ع

باوردکشان ہرکہ درافتاد برافتاد

امپیریل گزیٹیر کے فاضل و متبحر مؤلف اعظم نے خود ان کی کتاب کو اچھی نگاہ سے نہین دیکھا
نہ آئین بہین و اسلوب زرین پیش کیا ہے،" اسکی قدامت و دیرینہ سالی کو تسلیم کرتے ہین
اور کہ اگر ہندوون نے کبھی ایسی کوشش کی تھی، کہ "تاریخ عام کی شکل مین کوئی منظم و مدون ہوجائے، تو
اسکی منفرد (اکیلی) مثال یہی کتاب ہو سکتی ہے، وہ مصنف کی محنت و کاوش کی داد نہین دیتے ان
کے نزدیک خارجی تاریخ کی بعض بعض مدات و اجزا، بلکہ بہت سی بے اصل و بے سر وپا باتین جا
اس مین الحاق کر دی گئی ہین، بقول گزیٹیر کم سے کم اس قدر توقع کیجا سکتی تھی، کہ کلہن نے خود ا
زمانہ اور ماضی قریب کی صدیون کے حالات تو مناسب طور پر صحت و تحقیق کیساتھ قلمبند کئے ہونگے
لیکن جب انکی تالیف شریف کا جائزہ لیا جاتا ہے،" ذرا اسکی تفصیلات کو ذرا بھی غور و توجہ سے
دیکھا جاتا ہے، تو نظر ڈالتے ہی کھل جاتا ہے، کہ ان کی حقیقت تخئیل اور تصور کے سوا کچھ اور نہین
اور ابتدائی زمانون کے متعلق تو قطعاً ناقابل اعتبار و غیر مستند ہے، تفصیلی تخمین اور تنقیدین امپیریل
گزیٹیر کے اجزاے اولین و تمہیدی اور ۱۹۰۶ء کے رسالہ رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن مین

ملین گی، پنڈت صاحب کی نازک خیالیون اور رنگ آمیزیون اور تاریخ آفرینیون کا خوب
مذاق اڑایا گیا ہے،

ادھر کلہن جی کا اپنے بزرگ پیشرؤن کے نقص دکھانا، عیب جوئی کرنا، ادھر ان کے
اخلاف و پس آیندگان کا "عطاے تو بہ لقاے تو" پر عمل کر کے انہی اعتراضون اور سقمون کو پنڈت
جی کی نذر کر دینا، یا سر منڈھنا، گل کھلا کر رہا، ہندو ہسٹری نے صداے کرب و درد بلند کی،
دونون کی ضد نے خاک مین ہم کو ملا دیا، محترم فضلاے یورپ عہد ہنود کی تاریخ کے سچے
دل سے کبھی معتقد نہ تھے، "اسکو لیجنڈری" یا افسون و افسانہ سے زیادہ وقعت نہین دیتے تھے،
گھر کے بھیدیون نے، رہا سہا بھرم اور بھی کھول دیا، کامل فن ماہرین اپنی نکتہ بینیون او
دقیقہ سنجیون کے دفتر لے کر بڑھے، حق پسندی کی جگہ حرف گیری نے چھینی، سنتا ہون کہ فرنگستان
مین "بلبل نائٹ انگیل" کہلاتی ہے، اس موقع پر مجھے یورپ کی نائٹ انگیل میڈیم راگوزن
(Zenaide A. Ragozin) کا ایک لطیفہ بے اختیار یاد آتا ہے، جو خود موصوفہ
کا طبعزاد ہو یا کسی اور ستم ظریف مشرق نواز علم دوست کا، فرماتی ہین "ہند قدیم کے متعلق اگر
کوئی کتاب لکھی جائے، تو آخری باب تک پہنچتے پہنچتے، پہلے باب کی نظر ثانی کی ضرورت ہو جاتی
ہے، (ویدک ہند، ترجمۂ حمید، ص ۲، ۱)

قلق ہر کہ اسی مد و جزر سے میری تاریخ قنوج کی تکمیل و اشاعت معرض التوا و التفا
مین پڑی ہوئی ہے، وسیع النظر دور اندیش ڈاکٹر اور فلک پیما پروفیسر ہند کی تاریخ قدیم کے
نام سے نئی نئی باتین روز روز نکالتے اور ہمارے حوالہ کرتے ہین، یہ موشگافیان اور روز افزون
علمی ترقیان جب تک ختم یا بند نہ ہو جائین، کیونکر آگے بڑھ سکتا ہون، اس داستان
رنگین کا خدا حافظ،

یرے ہندو کرم فرما اور قدر افزا جو میری مخلصانہ اُفتاد طبع سے واقف ہین، برا نہ
مانین، مجھے ملامت نہ فرمائین، یہ بھی غیرون کی سُجھائی ہوئی باتین تھیں، جو بے اختیار قلم سے
نکل گئین، میرے بے ریا دوست اکیلے مجھ ہی سے نہین، بھری خدائی سے پوچھنے کا حق رکھتے
ہین، کہ روے زمین پر کونسی قوم ایسی گذر رہی ہے، جو کبھی میدانِ علم و عمل مین گام زن رہی ہو
جس نے ترقی و تمدن کی سیڑھیان تیزی سے طے کرلی ہون، تاہم اوس نے اپنی ملکی و جماعتی
خصوصیات، فرسودہ روایات نفسیاتی معلومات اور خیالی تخلیقات و تحصیلات کو تاریخی حقائق
اور وجدانی و عرفانی تنزیلات و تنویرات کے نام سے جلوہ افروز نہ فرمایا ہو، یہ بھی ایک عالم
آشکار راز ہے، کہ عربون (مسلمانون) کی حضارت و ثقافت ایک بڑی حد تک عجمیون (ایرانیون)
کی تہذیب و مدنیت و روشنی سے مستفید و مستنیر ہے، اگر قبل از اسلام کی، عربون کی تواریخ
بڑی حد تک بنی اسرائیل کی روایات و خرافات نیز یونانی تصورات کی حامل مانی جاتی ہے، تو اس
سے بھی انکار نہین کیا جاسکتا، کہ عین بعد اسلام کی تاریخ بھی عجم (محض ایران) کی تاریخون کے پرتو
سے نہ بچ سکی، چنانچہ اس مین بہت سے ایرانی خرافات اور ان کا لایعنی مواد شامل
ہوگیا، دورِ حاضر کا فاضل بلند نظر مورخ رفزی ان کی خامیون اور کوتاہیون کو تسلیم کرتا
ہوا اپنی ضخیم الحجم، شدید التحقیق، واسع المعلومات تاریخ تلفیق الاخبار و تلقیح الآثار فی وقائع
قزان و بلغار و ملوک التتار مین عذر خواہ ہے،

لا یخفی ان ھذہ الحوادث التی
نذکرھا الآن منقولة عن التواریخ
الاسلامیة التی اخذت من تواریخ
الفرس کما استلفناہ ولا یخفی علی
من له ادنی المام بفن التاریخ
ان الخرافات التی فی تواریخ
الفرس لا یوجد مثل دبعها
فی تواریخ سائر الامم
(مجلد اول صفحہ ۶، مطبوعہ اورنبرگ)

پوشیدہ نہ رہے کہ یہ حادثے جن کو ہم
اس وقت بیان کر رہے ہین، اسلامی
تاریخون سے نقل کئے گئے ہین، اور
اسلامی تاریخین فارسی تاریخون سے
بنی ہین، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے، اور جس
کو فنِ تاریخ مین ذرا سا بھی دخل ہوگا،
اُس پر کچھ چھپا نہین، کہ جس قدر بیہودہ
و پریشان باتین اہلِ فارس کی تاریخون
مین ہین، تمام قومون کی تاریخون کو
ملا کر ان کا چوتھائی حصہ بھی اُن
مین نہ ہوگا،

بہر صورت یہ راج ترنگنی عہدِ وسطیٰ کا تاریخی کارنامہ سمجھی جاتی ہے، اور کسی حد تک اُن لوگون
کا منہ بند کرسکتی ہے، جو اگلے ہندوؤن کی تاریخ نویسی اور مہارتِ فن کے قائل ہین، اس کے
غیر زبانون کے ترجمون مین کپتان انتھونی ٹرائر (An Thony Troyer) کا فارسی ترجمہ
اچھا سمجھا جاتا ہے، (گارسان دی تاسی کا پندرہوان خطبہ صفحہ ۵۰۶ مطبوعہ ۱۹۳۵ء) انگریزی مین
بھی ترجمے ہوچکے ہین، پہلے مسٹر ولسن (Wilson) نے کیا تھا ایشیاٹک ریسرچیز، جلد پانزدہم
مین شائع ہوا، (تمہید تاریخ راجستھان) پھر ڈاکٹر سر اورل اسٹائین (Sir M. Aurel
Stein) اپنا ترجمہ مع اپنے مقدمہ و تشریحات ضمیمون اور انڈکس کے ۱۹(؟) مین دو
جلدون مین طبع کرایا، یہ نامور فاضل وسط ایشیا اور ترکستان کا سیاح اور جہان گرد صاحب نظر
تھا، اور بڑے اہتمام سے ایسے علمی کام کرتا تھا،

تصحیح و ترتیب جدید کے بعد اسی راج ترنگنی کا ترجمہ شگفتہ انداز سے ٹھاکر اچھر چند نے اردو
مین کیا، مکمل راج ترنگنی کے نام سے بہ آسانی مل جاتا ہے، (مطبوعہ سیوک اسٹیم پریس لاہور ۱۹۱۲ء)
زینہ کا ایک انگریزی ترجمہ "کنگز آف کشمیر" کے نام سے مسٹر جے سی دت نے فرمایا تھا،

۱۸۹۸ء میں طبع ہوا، پریاگ کی مردم آفرین زمین بھی فخر کر سکتی ہے، کہ اس کے ایک زبان دان اور انشا پرداز فرزند شری رنجیت پنڈت یعنی شریمتی وجے لکشمی کے نام آور شوہر کے قلم سے اس کے ترجمے نکل چکے ہیں، ایک انگریزی کا دوسرا ہندی کا، سنتا ہوں دونوں اصل سنسکرت سے کئے گئے ہیں،

کرنیل ٹاڈ کی تاریخ راجستھان (مترجمہ افق، صفحہ ۱۶۰) سے واضح ہوتا ہے، کہ کوئی راج ترنگنی اور بھی ہے، جس کا نام راجاولی[ل] کے ساتھ لیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے، کہ یہ تاریخیں پنڈت ودیا دھر اور پنڈت رگھوناتھ کی تصنیف ہیں، اور راجگان ہندان کو مستند مانتے ہیں، یہ راجہ جے سنگھ والی کشمیر کے پیش نظر حوالہ قلم ہو رہی یقین (اصل تاریخ انگریزی، ص ۴۴۲)

عذر، بھاکا اور سنسکرت کے نہ جاننے سے ہیچ مدان راقم سطور (مقبول) بعض ناموں کو صحیح نہیں لکھ سکا، جس کا افسوس ہے، انگریزی کتابوں سے بھی پوری مدد نہیں ملی، کرنیل برگز (Briggs) کو بھی ایک شکایت تھی، کہ اگلے وقتوں کے مسلمان مصنفین نے ہندوؤں کے ناموں کو ایسا بنا بگاڑ دیا تھا، سمجھ میں نہیں آتے تھے، (راجستھان، جلد دوم مطبوعہ کلکتہ ۱، صفحہ ۲۰)

باز آمد لیکن اکبر کے روبرو جو راج ترنگنی پیش کی گئی تھی، وہ یقیناً سنسکرت میں نہ تھی، بے شبہہ ہندی میں تھی، ابو الفضل لکھتا ہے:-

"چون رایات ہمایون بار اول دران بستان سرائے ہمیشہ بہار بر افراختہ آمد، کتابے بہ ہندی زبان راج ترنگنی نام بہ پیشگاہ حضور آوردند کہ احوال چہار ہزار سالہ دکسری از مسند نشینان باز گوید، دران دیار رسم بود کہ پاسبانان ملک چندے از فروہیدہ مردم [۱]

[ل] راجاولی، یہ کتاب بھی ڈاکٹر اشٹائن کے ذخیرہ کتب و نوادر کے ساتھ آکسفورڈ میں موجود ہے، البتہ فہرست مندرجہ صفحہ ۲۰۰ میں مصنفین کے یہ نام نہیں ملتے ہیں،

بہ تاریخ نویسی برگماشتے، شہریار آگہی جوئے زبان دانان ہشیار مغز را با ترجمۂ آن باز گماشت و در کمتر زمانے حسن انجام گرفت، (آئین اکبری، جلد دوم صفحہ ۱۸۱)

غالباً اسی ہندی کتاب کا ترجمہ اکبر کے حکم سے فارسی میں کیا گیا تھا،

"تاریخ کشمیر کہ احوال چہار ہزار سالہ آن دیار است، مولینا شاہ محمد شاہ آبادی[ل] از لغت کشمیر بزبان فارسی برگذارد" (آئین جلد اول، صفحہ ۱۰۶)

ترجمہ کا قصہ یہیں تک پہنچکر ختم نہیں ہو جاتا، مولوی محمد رضی الدین بسمل بدایونی اپنی نفیس تالیف تذکرۃ الواصلین (ص ۲۰۰) میں تحریر فرماتے ہیں، کہ "انتخاب تاریخ کشمیری کا کسی قدر (؟) ترجمہ مولانا شاہ محمد شاہ آبادی نے فارسی میں کیا تھا، اس کو بعبارت سلیس مولانا عبد القادر نے دوبارہ ترجمہ کیا" یہ عہد اکبری کے نہایت راست باز، راست گو مورخ اور نامور مترجم تھے، منتخب التواریخ یعنی تاریخ بدایونی، ترجمہ اتھربن بید، ترجمہ مہابھارت (موسوم بہ رزم نامہ) ترجمۂ رامائن، انتخاب جامع رشیدی، نجات الرشید وغیرہ مولانا ہی کے رشحات قلم کے منت پذیر ہیں،

پنڈت دینا ناتھ مست، کشمیری فرماتے ہیں، کہ ملا صاحب سے جس کتاب کا ترجمہ فارسی میں کرایا گیا تھا، وہ درحقیقت راج ترنگنی کا ضمیمہ تھا، (ہماری زبان، نمبر ۱۸، جلد دوم مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۹۴۰ء) یہاں اس سے بحث نہیں کہ وہ کون کتاب تھی، جس سے شاہ صاحب نے ترجمہ کیا تھا، بلکہ گفتگو اس کی زبان کے متعلق ہے،

ابو الفضل علامی ہم سے زیادہ ہندی اور سنسکرت زبانوں کا فرق جانتا تھا، کشمیری کا

[ل] مولانا کا نام نامی آئین اکبری میں "دانش اندوزان جاوید دولت" کی جدول میں اکتالیسویں نمبر پر ہے، ص ۲۶۶، جلد اول،

بھی اچھا لغت شناس تھا، زیادہ نہ سہی، ان زبانون مین سے ہرایک کا صحیح نام جاننے اور لکھنے کی تمیز تو رکھتا تھا، اور درست نویسی و راست نگاری کی کوشش کرتا تھا،

تاریخ فرشتہ (مقالہ دہم، جلد دوم، ص ۳۴۴) مین تحریر ہے کہ

"کتاب مہابھارت کہ از کتب مشہورۂ ہنداست نیز فرمود تا ترجمہ کردند، وکتاب راج ترنگنی کہ عبارت از تاریخ بادشاہان کشمیر است، درعہد او (سلطان زین العابدین) تصنیف شدہ، ودر زمان اکبرشاہ ترجمہ مہابھارت راکہ بدعبارت بود، بار دیگر بعبارت فصیح برآوردند وتاریخ کشمیر را نیز بہ فارسی ترجمہ کردند"

اس تفصیل وصراحت سے مولوی رضی الدین کے اجمال کی تائید ہوتی ہے،

جہانگیر اپنی سرگذشت مین اسی اکبری ترجمہ کا حوالہ دیتا ہے، اور اس کتاب کو راجہ ترنگ کی تاریخ لکھتا ہے،

بات سے بات نکلتی چلی آئی، اور بڑھ گئی، میرا مقصود صرف فارسی کی تاریخہاے کشمیر پر سرسری نگاہ ڈالنا ہے، ورنہ سنسکرت مین کشمیر کے متعلق بڑا ذخیرہ تواریخ فراہم ہے، بہتون کے نام مختلف طور پر مگر اس طرز سے رکھے گئے ہین، کہ راج ترنگنی، اصل نام کے ساتھ آخر مین کوئی لفظ یا جزو لفظ لگادیا گیا ہے، اس طرح وہ سب کی سب راج ترنگنی سے منسوب ہورہی ہین، ۱۹۱۲ء مین رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے ان کی مکمل فہرست مشمول سنسکرت کی کثیر التعداد قلمی تاریخون اور متفرق کتابون کے شائع کی تھی، یہ فہرست مسٹر جیرارڈ کلاسن نے بڑی قابلیت، احتیاط و دماغ سوزی سے مرتب فرمائی تھی، نادر و نایاب کتابون کا یہ ذخیرہ جو ڈاکٹر اسٹاین کی قوت بازو اور زر خطیر سے فراہم ہوا تھا، اس وقت آکسفورڈ کے انڈین انسٹی ٹیوٹ مین موجود ہے، کیوریٹر صاحبان اس کی نگرانی و محافظت کے ذمہ دار ہین، (ر جرنل بابتہ جولائی ۱۹۱۲ء)

راج ترنگنی اور اس کے تراجم سے فی الحال دستکش ہوتا ہون،

قدامت زمانہ تحریر اور سعی و اہتمام تحقیق دونون لحاظ سے سبقت و تقدیم کا سہرا شہنشاہ بابر کے سر ہے اسلئے مجھے سب سے پہلے (۱) تزک بابری کا نام اس عنوان کے نیچے لکھنا لازم ہے، جس کے ترجمہ کی نسبت ابھی کئی صفحے سیاہ کرچکا ہون، واقعات بابری سے صرف وجہ تسمیہ کو مختصراً بتا دینا کافی ہے، بابر فرماتا ہے، کہ مین نے ہندوستان کے رہنے والون سے بہت کچھ تحقیق و تفتیش کی لیکن ان گروہا گروہ انسانون مین سے ایک بھی من لگتی بات نہ بتا سکا، بتایا تو یہ کہ اس پہاڑ کو لوگ کیس کہا کرتے ہین، میرے ذہن مین بھی جم گئی، اہل ہند شین کو سین بولا کرتے ہین، ان کا لفظ ایسا ہی ہے، اس شہر مین پہاڑ سمیر کہلاتا ہے، اس لئے کوہ کیسا میر اچھا خاصا کشمیر بن گیا، اور اس پہاڑ کے لوگ کہسیہ کہلانے لگے" (بابرنامۂ فارسی، ص ۱۵۰)

سمرقندی مسافر کی بات کو نہ تو مین نے جی لگا کر سنا نہ اچھی طرح میری سمجھ مین آئی، ساڑھے چار سو برس کی بوڑھی بات، وہ بھی معمولی، عصر حاضر کی زمین شگاف تحقیقات اور آسمان فرسا معلومات کے مقابلہ مین اس کی کیا پرسش یا وقعت ہوسکتی ہے، مگر اس کی قدر اس بنیاد پر کرتا ہون کہ یہ ایک ایسے شخص کے دماغ اور قلم سے نکلی ہے، جس کی ساری عمر یا تو گھوڑے کی پیٹھ پر گذری تھی یا میدان جنگ مین، اسی حال مین تلوار بھی ہاتھ مین رہی و قلم بھی، شاہی تخت سے لیکر تابوت کے تختہ تک یکسان کاٹی،

میرا دعوی ہے کہ (۲) ملا قاسم ہندوشاہ کی تاریخ کا دسوان مقالہ بجاے خود کشمیر اور اس جنت نظیر سرزمین کے فرمانروایان دادگر کی ایک مستقل و مکمل تاریخ ہے، (۳) مرزا حیدر گورگانی نے بھی ایک تاریخ کشمیر لکھی تھی، وہ بھی اس کی نظر سے گذری تھی، اور فرشتہ نے باعتراف نیز بھی اس سے استفادہ کیا تھا، مرزا حیدر ترک تھا، اور چغتائیون کا قریبی رشتہ دار، پہلے

ہمایون کی طرف سے کشمیر پر چڑھائی کی، فتح کیا، وہین کا والی ہوگیا، پھر شیر شاہی ہنگامے، اور
ہمایون کی جلا وطنی سے خود مختار حکمران و تاجدار بن گیا، اوس نے چھوٹے بڑے تبت، راجوری
پگلی وغیرہ پر بھی قبضہ کر کے اپنے ممالکِ محروسہ مین شامل کر لیا تھا، دس سال کشمیر اس کے زیر
نگین رہا، بے شبہہ ملا قاسم اس پر ایمان لے آیا تھا، اس کے اقوال و تحریرات کی صحت پر اعتماد
رکھتا تھا وہ کہتا ہے کہ مرزا حیدر دوغلات نے یہان کے حالات، لطائف و غرائب، تعمیرات
پھل پھول ہر ایک چیز کو چشم دید لکھا ہے، وہ جو کچھ لکھتا ہے، عین الیقین کی حیثیت سے سپرد قلم کرتا
ہے، (ص ۱۰۸) یہ سب کچھ ہے، مگر مرزا کی کتاب کا نام وہ بھی نہین لیتا، یا بتا نہین سکتا، مرزا
حیدر کے سوانح جو فرشتہ نے لکھے، اس مین بھی کتاب کی اسم نویسی سے قاصر رہا،

مسٹر بیل بھی اس کتاب کی بڑی تعریف کرتے، اور لکھتے ہین، کہ "یہ ایک ایسی تاریخ کشمیر
کی ہے، جو سب سے زیادہ مستند و معتبر ہے، جس کی مصنف نے اپنے زمانہ کے آخر تک کی تکمیل کر دی
تھی، حیدر ملک کا خطاب رئیس الملک چغتائی تھا، وہ شہنشاہ جہانگیر کا مقرب، درباری، اور
رکنِ سلطنت تھا، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) مین شہنشاہ کے ہمرکاب کشمیر گیا تھا" (ڈکشنری ص ۱۰۰)

واقعاتِ کشمیر یا تاریخ اعظم کے ذیل مین مرزا حیدر اور اسکی تاریخ کا پھر ذکر آئے گا،

فرشتہ (۴) زین حرب نامی کتاب کا ذکر کرتا ہے، جو سلطان زین العابدین بادشاہ کشمیر
(مذکور الصدر) کے حالات و سوانح مین بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھائی گئی تھی، (صفحہ ۶۴۴
مذکور) مجھے بے خبر کو، مگر یہ خبر نہیں کہ آیا یہ کتاب اب بھی صفحۂ ہستی پر باقی ہے یا فنا کا سیلاب اُسے بھی بہا لے گیا
(۵) وہ جس سے قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین مین التقاط (یا ڈر کر کہتا ہون) استفادہ
فرمایا تھا، بفضلہ یہ نسخہ میرے وطنِ مالوف کے کتبخانہ مین محفوظ ہے، ناقص الطرفین ہے، پرانی
دفتین (دفتی یا پٹھے) پر کسی صاحب کی یادداشت (بظاہر پرانی) عربی زبان بے تکلف نسخ خط مین تحریر

کہ یہ تاریخ کشمیر قاضی صاحب کے زیر مطالعہ رہی ہے، کتاب کی زبان و انشاء شاندار عالمانہ
ادیبانہ ہے، جابجا رنگین و مقفّٰی بھی، برمحل اشعار بھی پائے جاتے ہین، خط نستعلیق ولایتی نہایت پاکیزہ
اوراق و حواشی پر ابری، نیز زرافشان، تقطیع متوسط کتابی، اول و آخر کے اجزاء غائب ہین، اس لئے
وثوق کے قابل نہ کتاب کے نام کا پتہ چلتا ہے نہ حضرت مصنف کا، نہ زمانۂ کتابت معلوم ہو سکتا ہے
ممکن ہے کہ اسکی دریافت کیلئے موجودہ صفحات سے کچھ کچھ نقل کر کے بعض قدیم کتب خانون کو بھیجا جائے
تو وہان تلاش و مطابقت سے کچھ سراغ چل سکے، مگر اس زحمت و تصدیع کو برداشت کون کریگا؟
اور کس لئے؟ ایک صفحہ کے حاشیہ پر کسی صاحبِ ذوق نے "یہ بیت" لکھ دی ہے،

یک قطعۂ بہشت ہے روئے زمین پر — کشمیر جس کی سیر کے قابل زمین ہے

دواوین اور تذکرون کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شعر بھی پرانا ہے، پنڈت لچھمن رام دہلوی کا
جو مرزا رفیع سودا کے شاگرد اور دولتِ آصفیہ دکن کے متوسل تھے، (مجموعۂ نغز، حصہ دوم ص ۲۷)

(۶) جہانگیر کشمیر پر مفتون و شیدا تھا، اُس نے کشمیر ہی کے راستہ مین جان بھی دی، اُس کے
ایما سے حیدر ملک بن حسن ملک کشمیری نے اپنے وطن کی ایک تاریخ تصنیف کی تھی، جو کسی
قدیم تاریخ کی تحریرات بلکہ زیادہ تر راج ترنگنی سے ماخوذ تھی، بظاہر مرزا حیدر والی تاریخ متذکرہ
نمبر ۲ سے جدا چیز معلوم ہوتی ہے، اور بہت زمانہ بعد کی، نام اور املا کے خفیف اختلاف سے مغالطہ ممکن ہے،

(۷) پنڈت نارائن کول عاجز نے عارف خان صوبہ دار کشمیر کے عہد ۱۱۲۱ھ (۱۷۰۹ء) مین سری
دھربٹ کے ضمیمہ راج ترنگنی کا ترجمہ فارسی مین کیا تھا، اس تتمہ کا ذکر کر چکا ہون،

(۸) کشمیر کی ایک مبسوط تاریخ پنڈت ٹیکا رام کول فارسی میں لکھ رہے تھے کہ پیامِ اجل آپہنچا اور مکمل نہ کر سکے

(۹) ایک تاریخ مولانا نادری کشمیری نے لکھی تھی، جس کا حوالہ منشی محمد اعظم نے دیا ہے (صفحہ ۱۰۸، ترجمہ) یہ
صاحب شعرائے عہد مین سب سے زیادہ فصیح مانے جاتے تھے، ان کا درجہ مولانا احمد کشمیری کے عین بعد تھا،

ہمارے ملک کی بدنصیبی اور علوم مشرقی و تصانیفِ قدیمہ سے محرومی بتانے آئی ہے، کہ یہ کتابیں ضائع ہو چکیں، اگر کسی پُرانے شریف گھرانے میں کوئی نسخہ باقی بھی ہوگا، تو ہم محروم لارث شامت زدگی دسترس سے باہر ہے،

(۱۰) تاریخ راجہاے جموں کا حوالہ اور نام، چند فارسی تاریخوں کے ساتھ ملتا ہے، مگر کتاب نہیں ملتی نہ اسکی تفصیلات کی اطلاع ہے، معلوم نہیں کہ آیا اس میں صرف فرمانروایانِ جموں کا احوال تھا یا حاکمانِ کشمیر کا بھی

(۱۱) ایسی ہی میری دسترس سے باہر فانی کی تاریخ[1] بھی ہے، فانی تخلص، شیخ محمد محسن نام تھا، کشمیر کے باشندے تھے، نامور شاعروں میں شمار ہوتے ہیں، نامور تر شاعر مرزا طاہر غنی کشمیری کے استاد تھے، شعراء کے تذکروں میں ان کے حالات سخنورانہ کمالات کیساتھ مندرج ملتے ہیں، افسوس ہے کہ ان کے دیگر علمی و ادبی کارناموں کے بارہ میں وہ تذکرے خاموش ہیں، بجالیکہ مسٹر بیل ان کو عمدہ مصنف بتاتے ہیں[2]، عہدِ شاہجہانی میں صوبہ الہ آباد کی صدارت پر سالہا سال ممتاز رہے تھے اور جب شاہ جہان کے ایک مغلوب مقابل نذر محمد خان والیِ بلخ کے یہاں ان کا دیوان سنہ ۱۰۵۶ھ (سنہ ۱۶۴۶ء) میں پکڑا گیا، جس میں اُسکے مدحیہ قصائد بھی تھے، تو زیرِ عتابِ شاہی آگئے، ملازمت سے برطرف کردیئے گئے، تھوڑا سا آذوقہ البتہ مقرر ہو گیا، انھوں نے بقیہ زندگی اپنے وطن میں گذاری، سنہ ۱۰۸۱ھ (سنہ ۱۶۷۰ء) میں پیوندِ خاک ہوئے[3]، فانی کی غیر فانی حسن پرستی اور حریف مقابل ظفر خان ناظمِ کشمیر سے چوٹیں، اور بالآخر شکست دینے کا مذکور تذکروں میں موجود ہے[4]، مثنوی مصدر الآثار فانی کی یادگار ہے،

ظفر ظفرخان، اسکی شاعری اور کشمیر کی مدح میں مثنوی کا ذکر اوپر کر چکا ہوں،

---

[1] ترجمہ واقعاتِ کشمیر صفحہ ۹۴ [2] ڈکشنری صفحات ۲۴ و ۱۰۶ و ۱۹۴ [3] ایضاً صفحات ۸۶ و ۱۹۴،
[4] سرو آزاد، ص ۱۰۳، و خزانۂ عامرہ ص ۱۱۱ و تذکرہ حسینی ص ۲۲۸ و مفتاح التواریخ ص ۱۱۹ و تاریخ الہ آباد ص ۲۰۷،

تلخیص و تبصرہ

خانانِ چغتائیہ

(سنہ ۶۲۴ھ ۱۲۲۷ء سے سنہ ۷۶۰ھ ۱۳۵۸ء تک)

چنگیز خان کے تین بیٹوں یعنی اوکتائی، تولی اور جوجی نے جو جو خانیتیں قائم کیں، انکے حالات ہم لکھ چکے ہیں، اب چغتائی پسر چنگیز کے حالات جو باقی تھے، وہ تحریر کرتے ہیں :-

چغتائی خان کو باپ کی طرف سے وہ قبائل ملے تھے، جو ماوراء النہر میں خانہ بدوش رہتے تھے، (ماوراء النہر کو یورپ والے ترانس اوکسی آنا یا بخاریہ کہتے ہیں) اس میں کاشغر، بدخشان، بلخ اور غزنہ کے علاقے بھی شامل تھے، چغتائی خان نے انہی علاقوں اور ملکوں میں اپنی خانیتیں قائم کیں، آلِ چغتائی کے حالات بہت کم ضبطِ تحریر میں آئے ہیں، بجز اس کے کہ کبھی کبھی ایران کی سرحد پر چڑھائی کی یا اندرون خانہ نزاعات کئے، کوئی اور بات جو قابلِ ذکر ہو نہیں ملتی، چغتائی خان کی اولاد کی حکومت میں اوکتائی کے خاندان سے علی اور دانشمندجہ دخل انداز ہوتے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اوکتائی خان خاندان کے سردار جو مرتبہ اور اقتدار میں بڑھے ہوئے تھے، سلطنتِ چغتائیہ میں دست اندازی کرتے ہیں، خاقانِ چغتائیہ کے شجرۂ انساب اور زمانہ، کہ کس نے کب کب تک حکومت کی مشتبہ ہیں، اور ذیل میں جو فہرست خانوں کی ہم دیتے ہیں

وہ محض امتحاناً سمجھی جائے،

خاندان چغتائیہ کے خانان

چغتائی ۶۲۴ھ/۱۲۲۷ء، قراہلاگو ۶۳۹ھ/۱۲۴۲ء، یی سیو منگو ۶۴۵ھ/۱۲۴۷ء، قراہلاگو (بار دیگر) ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء، اورغانہ خاتون ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء، الگو خان ۶۵۹ھ/۱۲۶۱ء، مبارک شاہ ۶۶۴ھ/۱۲۶۶ء، دوا خان ۶۷۲ھ/۱۲۷۴ء، قون جک خان ۷۰۶ھ/۱۳۰۸ء، تالیقو ۷۰۸ھ/۱۳۰۸ء، کیبک خان ۷۰۹ھ/۱۳۰۹ء، ییسون بوغا ۷۰۹ھ/۱۳۱۸ء، کیبک خان (بار دیگر) ۷۱۸ھ/۱۳۱۸ء، ایلچی گدائی خان (بار دیگر) ۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء، دوا تیمور ۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء، طرم شیرین خان ۷۲۲ھ/۱۳۲۲ء، سنجار خان ۷۳۰-۳۴ھ/۱۳۳۰-۳۴ء، جنگی شاہی ۷۳۴ھ/۱۳۳۴ء، بوزون ۷۳۵ھ/۱۳۳۵ء، یسون تیمور ۷۳۹ھ/۱۳۳۹ء، علی (خاندان اوکتائی سے تھا) ۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء، محمد خان ۷۴۳ھ/۱۳۴۲ء، کازان یا کزن ۷۴۳ھ/۱۳۴۳ء، دانشمند جہ (خاندان اوکتائی سے) ۷۴۷ھ/۱۳۴۶ء، بویان قلی ۷۴۹ھ/۱۳۴۸ء، سلطنت مین بدنظمی شروع ہوجاتی ہے، امیر تیمور گورگان کا ملک مین عمل دخل ہوجاتا ہے۔

چغتائی خان کا خاندان

چنگیز خان

جوجی خان — چغتائی خان (۱) — اوکتائی خان — تولی خان

(چغتائی خان کی اولاد:) پائدار — ییسو منگو (۳) — سربن خان — موتو خان

پائدار: الگو خان (۵)

سربن خان: نیک پائی (۸)

موتو خان: تو بری — ییسون دوا — اورغانہ (۴) = قراہلاگو (۲)

تو بری: کدامی

ییسون دوا: براق خان (۷)

اورغانہ: مبارک شاہ (۶)

کدامی: تالیکو (۱۲) — توقا تیمور (۹)

براق خان: دوا خان (۱۰)

دوا خان: ایل خواجہ — سرا جو اوغل — ابوکان — طوما شیرین خان (۱۸) — دوا تیمور (۱۶) — ایلچی گدائی (۱۵) — ییسون بوغا (۱۴) — کیبک خان (۱۳) — کنجک خان (۱۱)

ایل خواجہ: تغلق تیمور — الیاس خواجہ

سرا جو اوغل: بویون قلی (۲۵) — ییسون تیمور (۲۰) — جنکوشاہی (۱۸)

ییسون تیمور: تیمور شاہ

طوما شیرین خان: سنجار خان

دوا تیمور: بوزون خان (۱۹)

ایلچی گدائی: درجی — قابل سلطان

کنجک خان: پولاد خان — محمد خان (۲۳) — عادل سلطان

ایران کے مغل خانان

(۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء سے ۷۵۰ھ/۱۳۴۹ء تک)

قراقورم مین منگو پسر تولی کا دور خاقانی تھا، کہ ملک ایران مین ہلاکو خان کی اولاد کو بادشاہی نصیب ہوگئی، اور اس طرح ایران مین مغلون کی سلطنت قائم ہوگئی، ایران کے ان مغل بادشاہون کو تاریخ مین ایلخان کہا جاتا ہی، (ایل خان کے معنی صوبہ کے خان کے ہین، اور یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے، کہ خاقان اعظم سے اس مین تمیز ہوسکے، ایل خان خاقان کا مطیع سمجھا جاتا تھا، گویہ اطاعت بہت ہی خفیف ہوتی تھی) منگو خاقان نے جب ہلاکو اپنے بھائی کو ایران کا صوبہ دار بنا کر روانہ کیا، اور وہ ایران مین آیا تو اس ملک کو مطیع و محکوم کرنے مین اوسے زیادہ قباحت نہ ہوئی، وجہ یہ تھی کہ سلطان محمد علاء الدین خوارزم شاہ نے ایران کے بہترین حصون کو پہلے سے فتح کر رکھا تھا، اس کی وجہ سے ایران کی قوت بہت کچھ سلب ہوچکی تھی، چنگیز خان نے جب سلطان محمد خوارزم شاہ کو شکست دے دی، تو خوارزم مین وہان کے سردارون نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستین قائم کرلین، ہلاکو خان نے پہلے تو ان خود مختار سردارون کو محکوم و مطیع کیا، اس کے بعد وہ بغداد آیا، بغداد مین خلفاے بنی عباس کا آخری خلیفہ مستعصم باللہ سریر خلافت پر متمکن تھا، مگر پہلی سی شان و شوکت اب باقی نہ تھی، ہلاکو سے جو سب سے بڑے ظلم کا کام ہوا وہ یہ تھا، کہ اس نے اس خلیفہ کو بہت اذیت کے ساتھ ہلاک کردیا، غرض بغداد پر قبضہ کرکے جنوب کی طرف فتوحات کا سلسلہ جاری کیا، مگر ملک شام مین جب پہنچا تو مصر کے سلاطین مملوک نے اوس کے بڑھنے کو روک دیا، سلاطین مصر

ان دنون قوت وسطوت مین بہت بڑھے ہوئے تھے، انھون نے ہلاکو کو اپنے سے دور ہی رکھا، اس پر بھی ملک ایران کے تمام حصون اور ایشیاے کوچک پر یہ سمجھئے، کہ ہندوستان کی سرحد سے لیکر بحر متوسط تک ہلاکو خان کا قبضہ ہوگیا، اب مشرق مین ہلاکو کی سلطنت چغتائی خان کی حکومت سے شمال مین جوجی خان کی مملکت سے اور جنوب مین سلاطینِ مصر کے مقبوضات سے جاملی، ان حدود کے اندر تقریباً ایک صدی تک ہلاکو خان کی اولاد نے خود مختار بنکر حکومت کی، گو خفیف طور پر وہ خاقانِ چین کی اطاعت گذار رہی، بجز چند مواقع کے جبکہ جانشینی کے متعلق کوئی نزاع اٹھا، مغلون نے بڑے امن وامان کے ساتھ حکومت کی، اور تعریف کے قابل طریقون سے علوم وفنون کی ترقی مین انھون نے وہی نام پیدا کیا، جو ایلخانون سے قبل کے شاہانِ ایران نے پیدا کیا تھا،

آخر کار ہلاکو خان سے نوین ایل خان ابو سعید کے دورِ حکومت مین اس شاہی خاندان کو بھی وہی اسبابِ زوال پیش آئے جنھون نے اس سے پہلے خلفاے بنی عباس اور سلجوقیون کو تباہ کیا تھا، اور وہی اسبابِ زوال سلاطینِ مصر کو بھی پیش آکر انھیں تباہ کرین گے، وہ اسبابِ زوال کیا تھے، وزیرون، امیرون، سپہ سالارون کے آپس کے جھگڑے، متعصب لوگون کا دربار مین زیادہ رسوخ، غرض ان خرابیون نے حکومت کی جڑین کھوکھلی کردین، ان کے آپس کے رشک وحسد اور عداوتون نے ایلخانون کے لئے بڑے بڑے خطرے پیدا کردیئے، یہان تک کہ تختِ ایران انکے ہاتھ کا ایک کھیل بن گیا، جس کو چاہا تخت پر بٹھایا، اور جس کو چاہا معزول کیا، آج جو تخت پر بیٹھا، اوسے بیٹھتے ہی معلوم ہوا کہ تخت تو ٹوٹ کر گرنے کو ہے، دو امیر ایسے تھے جن کے گھرانون نے ایلخانون کی حکومت کو غارت کرکے چھوڑا، ان مین ایک گھرانا امیر چوپان کا تھا، جو غازان خان اور اس کے بعد کے ایلخانون کا منہ چڑھا سپہ سالار تھا، دوسرا گھرانا امیر حسین جلیر کا

تھا، یہ امیر حسین جلیر کے لقب سے پکارا جاتا تھا، ان دونون امیرون مین یعنی امیر چوپان اور امیر حسین جلیر کا ایک ایک فرزند تھا، جس کا ایک ہی نام یعنی حسن تھا، دونون مین تمیز کرنے کے لئے ایک کو حسن کوچک اور دوسرے کو شیخ حسن بزرگ کہتے تھے، ان دونون کے اختیارات اتنے بڑھے کہ سب کو وہ محسوس ہونے لگے، ایلخان ابو سعید کے انتقال کے بعد ارپا خان جس کا مورثِ اعلیٰ ہلاکو نہ تھا، بلکہ ہلاکو کا بھائی اریق بوقا تھا، تختِ ایران پر بٹھا دیا گیا، یہ واقعہ امیر شیخ حسن بزرگ کے باعث پیش آیا تھا، اس پر اس کے حریف حسن کوچک نے ابو سعید کی بہن ساتی بیگ یا ستی بیگ کو تخت نشین کیا، ارپا خان ۱۳۳۶ء مین تخت پر بیٹھتے ہی اسی سال معزول کردیا گیا، اور موسیٰ کو تخت نشین کیا گیا، یہ موسیٰ چھٹے ایلخان بایدو خان کی اولاد سے تھا، اب موسیٰ کو حسن بزرگ کے نامزدہ شخص کے لئے تخت کو خالی کرنا پڑا، اور حسن کوچک نے ستی بیگ کو تخت نشین کیا، ستی بیگ یا ساتی بیگ بہن تھی ابو سعید کی، پہلے یہ امیر چوپان کی بیوی تھی، پھر ارپا خان سے اوس نے عقدِ نکاح کیا، اور آخر کار سلیمان سے اوس نے اپنی شادی کرلی، سلیمان نے ساتی بیگ کے کل اختیارات شاہی سلب کرلئے، اس کے بعد کچھ دنون کے لئے نوشیروان تخت پر بیٹھا، اس کا زمانہ بدنظمی کا تھا، اور اب ہلاکو کی اولاد بھی ختم ہوچکی تھی، اب ایران کے مالک کبھی جلیر، کبھی مظفری کبھی سربداری ہوئے حتیٰ کہ امیر تیمور گورگان کا زمانہ آیا اور اوس نے ان سب کو یکلخت معدوم کردیا،

ہلاکو کی اولاد سے ایلخانانِ ایران کے نام

ہلاکو یا ہولاگو ۶۵۴ھ / ۱۲۵۶ء، اباقا خان ۶۶۳ھ / ۱۲۶۵ء، احمد مغلی نام تکودار تھا، یہ مسلمان ہوگیا تھا، ۶۸۰ھ / ۱۲۸۱ء، ارغون مسلمان نہ تھا، مسلمانون پر ظلم کئے ۶۸۳ھ / ۱۲۸۴ء، گائے ختو ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء، بایدو ۶۹۴ھ / ۱۲۹۵ء، غازان محمود ۶۹۴ھ / ۱۲۹۵ء، الجائیتو مسلمان تھا، اور اسلامی نام محمد خدابندہ تھا ۷۰۳ھ / ۱۳۰۴ء، ابو سعید ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء، ارپا ہلاکو کے بھائی اریق بوقا کی اولاد سے تھا، ۷۳۶ھ / ۱۳۳۵ء، موسیٰ ۷۳۶ھ / ۱۳۳۶ء، محمد ۷۳۶-۷۳۸ھ / ۱۳۳۶، ۱۳۳۸ء، طغا تیمور ۷۳۹-۷۵۲ھ / ۱۳۳۸، ۱۳۵۱ء، جہان تیمور ۷۳۹-۷۴۱ھ / ۱۳۳۸، ۱۳۵۱ء، ستی بیگ یا ساتی بیگ

۷۳۹ھ ۱۳۳۹ء ، سلیمان (ستی بیگ سے نکاح کرلیا) ۷۴۰، ۷۴۴ھ ۱۳۳۹، ۱۳۴۴ء ، نوشیروان ۷۴۵ھ ۱۳۴۴ء ،

شجرۂ ایلخانانِ ایران

چنگیز خان

جوجی ، چغتائی ، تولی ، اوکتائی ،

(تولی) : منگو ، قوبیلائی ، اریق بوقا ، ہلاکو (۱)

(ہلاکو) : یشمت ، منگو تیمور ، احمد (۳) (مغلی نام تکودار تھا) ، ترا غائی ، اباغا (۲)

یشمت — آ — آ — سلیمان (۱۶)

منگو تیمور — امیرجی — پائی قتلغ — محمد (۱۲)

احمد (۳) — آق بوقا کنی خاتون — اریا (۱۰)

ترا غائی — بایدو (۶) — علی — موسی (۱۱)

اباغا (۲) — ارغون (۴) ، گاکی خوتو (۵)

گاکی خوتو (۵) — الافرنگ — جہان تیمور (۱۴)

ارغون (۴) — غازان (۷) ، الجائیتو (۸)

الجائیتو (۸) — ابوسعید (۹)

غازان (۷) — ساتی بیگ (۱۵)

ؒ مسلمان ہوگیا سلطان خدابندہ نام ہوا ،

نوٹ اس نقشہ مین نمبر ۱۳ کہیں مذکور نہین غالباً اصل کتاب کے نقشہ مین کچھ غلطی رہ گئی ہے ، (مترجم)

چنگیز خان

تاتاریون کے پہلے باقاعدہ فرمانروا چنگیز خان کے حالات اور کارنامون پر ہیرلڈ لیمب کی دلچسپ محققانہ کتاب کا اردو ترجمہ ، مصنف نے اس مین تاتاری و فرنگی و عربی و فارسی ماخذون سے اس عجیب و غریب بادشاہ کے حالات مرتب کئے ہین ، جن سے معلوم ہوتا ہے ، کہ وہ کیونکر اس وقت دنیائے اسلام پر چھا جانے کا مستحق ترجمہ کی صحت اور خوبی کیلئے مولوی عنایت اللہ صاحب بی اے ناظم دارالترجمہ عثمانیہ کا نام نامی ضمانت ہے ، معارف پریس کی بہترین لکھائی چھپائی ، کاغذ عمدہ ، ضخامت ۲۴۲ صفحے قیمت : عہ۲ر

"مینیجر"

اخبارِ علمیہ

عربی کی بعض نئی کتابین

دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کی علمی و دینی خدمات اہلِ قلم کی نگاہون سے مخفی نہین ادھر چند مہینون کے عرصہ میں اسنے بہت سی نئی اہم مطبوعات شائع کین ، اور بعض زیر طبع ہین ، شائع شدہ کتابون کے نام حسب ذیل ہین :

(۱) کتاب المنتظم ابن جوزی ساتوین جلد سے دسوین تک (۲) کتاب الافعال ابن القطاع (المتوفی ۵۱۵ھ) کی پہلی جلد (۳) اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن ابن الخالویہ (المتوفی ۳۷۰ھ) (۴) کتاب الاعتبار ابن حازم کا دوسرا اڈیشن (۵) الاشباہ و النظائر سیوطی کی پہلی جلد (۶) امام بخاری کی تاریخ کبیر کے چوتھے حصہ کا نصف اول (۷) کتاب الکنی امام بخاری (۸) انباط المیاہ الخفیہ ، حاسب کرخی (۹) رسائل نصیر الدین طوسی جلد دوم ، اس مین حسب ذیل رسالے ہین ، کتاب مانالاوس فن ریاضیات مین (ب) الرسالۃ الشافیہ ، خطوط متوازیہ مین (ج) کتاب فی المطالع ہیئت مین (د) کتاب الطلوع و الغروب ،

مندرجۂ ذیل کتابین زیر طبع ہین :

(۱) امام بخاری کی تاریخ کبیر چوتھی جلد کا دوسرا حصہ (۲) الافعال ابن القطاع جلد دوم (۳) الاشباہ و النظائر سیوطی کی دوسری ، تیسری اور چوتھی جلد ،

حیدرآباد کے دوسرے قابلِ قدر ادارہ احیاءُ المعارف النعمانیہ کی طرف سے حسب ذیل
کتابین زیر اشاعت ہین،

(۱) کتاب الحج امام محمد شیبانی (۲) المختصر طحاوی (۳) مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ ذہبی (۴) مناقب ابی حنیفۃ صیمری (۵) کتاب الآثار امام محمد (۶) شرح العتابی علی الزیادات (۷) شرح السرخسی علی زیادات الزیادات (۸) اصول الفقہ سرخسی،

گیس کی ہلاکت خیزی

جنگ مین استعمال کے لئے مختلف قسم کی گیسین ایجاد ہو رہی ہین، مثلاً ایک گیس ایسی ایجاد ہوئی ہے جو رات کو فضا مین چھڑک دیجاتی ہے، اور جب اس پر آفتاب کی شعاعین پڑتی ہین، تو اس سے بم کی طرح دھماکے کی آواز پیدا ہوتی ہے، ایک دوسری قسم ایسی خطرناک ہے، کہ اس سے قلب کی حرکت یکایک بند ہو جاتی ہے، تیسری قسم ایسی ہے کہ جب وہ آبادی پر چھڑک دیجاتی ہے تو لوگوں کی آنکھون سے آنسو جاری ہو جاتے ہین بعض اوقات اس سے آنکھون کی روشنی بھی زائل ہو جاتی ہے، گیس کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس سے چھینکین بکثرت آتی ہین،

جرمنون نے پہلی دفعہ ۱۹۱۵ء کی جنگ مین گیس استعمال کی، وہ کلورین کی ٹکیان بنا کر مخالف فوجون کی خندق کی سمت ہوا مین اڑا دیتے تھے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا تھا، وہ اڑ کر انھی ہی کی طرف واپس آجاتی تھین، جس سے ان کو نقصان پہونچتا تھا، اس سے بچنے کے لئے انھون نے گیس کو بم مین بھر کر دشمنون کی طرف پھینکنا شروع کیا، گیس کی ٹوپیان پہننے کے بعد کلورین کا زیادہ اثر نہین پڑتا، اس لئے جرمنون نے Chloropicrin

(Chloropicrin) کا استعمال شروع کیا، اور اوس سے زیادہ موثر رائی کی گیس (Mustard Gas) ہوتی ہے، اس کا استعمال جرمن کثرت سے کرتے ہین، بعض اوقات انھون نے اتحادیون کی فوجون اور شہرون پر ایک رات مین اوس کے پچاس ہزار گولے گرائے، خود اتحادیوں کا بیان ہے کہ اس گیس سے تین لاکھ پچاس ہزار سپاہی ایسے بیکار ہو گئے تھے، کہ ان کو ہسپتال بھیجنے کی ضرورت ہوئی، مگر ان مین سے اکثر جلد شفایاب ہو گئے، صرف دو فی صدی ضائع ہوئے، رائی کی گیس اب تک بہت ہی مہلک سمجھی جاتی ہے، لیکن ممالک متحدہ امریکہ کے ایک موجد نے لیوسائٹ گیس نکالی ہے، جو اس سے بھی زیادہ مہلک ہوگی، گو ابھی تک اس کا تجربہ نہیں ہوا ہے، جنگ مین اب تک گیس کا بہت زیادہ استعمال نہین ہی، اسکی بڑی وجہ یہ ہے، کہ اس کے استعمال مین کثیر رقم خرچ ہوتی ہے، جس سے مالیات پر بہت بار پڑتا ہی، اس کے مقابلہ مین بم اور گولے سستے ہین؛

گیس کی ٹوپی پہن لینے کے بعد آدمی زہریلی گیس کی مضرتون سے محفوظ ہو جاتا ہے؛ عام طور سے زہریلی گیس سے بچنے کے لئے ناریل کے کوئلے سوڈا لائم اور پوٹاشیم پرمگنیٹ بہت مفید ثابت ہوئے ہین، گیس کو اب "موت کی شبنم" بھی کہنے لگے ہین، بعض گیس کے بم ایسے بھی ہین جو کھیتون کی فصل کے لئے بہت ہی مضر ہوتے ہین، اس بم کے موجد انگریز ہین؛ لیکن گذشتہ اور موجودہ جنگ مین جرمنون نے اس کا استعمال کثرت سے کیا ہے، اس قسم کے بم جب کھیتون مین گرتے ہین، تو ان کا پتہ مشکل سے چلتا ہے، لیکن بم کے گرنے کے بعد کھیتون کی فصل بالکل برباد ہو جاتی ہے، پختہ عمارتون کو مسمار کرنے کے لئے بم مین لوہے کے اجزاء بھر دیئے جاتے ہین، جاپانیون کے پاس اس قسم کے بم بکثرت ہین،

"ص ع"

ادبیات

عہد حاضر کے نوجوانانِ اسلام

از جناب یحییٰ اعظمی

یہ مانا اے عزیزو حکمت آموزِ جہان تم ہو
علومِ عصر کے آئین شناس و نکتہ دان تم ہو

نگاہوں میں ہے مستی نشۂ صہبائے دانش کی
خمارِ بادۂ علم و ہنر سے سرگران تم ہو

رگوں میں ہے تمھاری جوئے خون زندگی جاری
خدا کا شکر ہے سر تا قدم اربابِ جان تم ہو

حیاتِ تازہ طوفان خیز ہے ہر قطرۂ خون میں
خدا رکھے ادائیں کہہ رہی ہیں نوجوان تم ہو

یہ مانا سروِ رعنا ہو شکوہ و سربلندی کے
یہ مانا آئینہ دارِ وقار و عز و شان تم ہو

یہ سب کچھ ہے بجا لیکن خدارا یہ تو فرماؤ
کہ بزمِ دہر میں کس کے چراغِ دودمان تم ہو

بتا دو یہ کہ کس کے نونہالانِ چمن تم ہو
یہ فرما دو کہ کس گلزار کے سروِ روان تم ہو

کہاں تم جادہ پیما ہو کہاں منزل تمھاری ہے
تمھیں کچھ ہوش بھی ہے کس کی گردِ کاروان تم ہو

اگر پاسِ شرافت ہے کچھ تو پہچانو مقام اپنا
تمھیں احساس ہے اس بزمِ ہستی میں کہاں تم ہو

وراثت تم نے پائی ہے سلف کے نام نامی کی
خبر بھی ہے جہان میں یادگارِ باستان تم ہو

رگ و پے میں تمھارے اب بھی جنکا خون جاری ہے
انھیں اسلاف کے سرمایہ دارِ عز و شان تم ہو

مگر اے دوستو اک بات تم سے پوچھتا ہوں میں
بزرگانِ سلف کے آج کیا شایانِ شان تم ہو

یقین ہے یہ اگر اس عہد میں اسلاف بھی اٹھیں
نہ مانیں یہ کہ ان کے ہی چراغِ دودمان تم ہو

خردمندو! کبھی کچھ غور بھی اس پر کیا تم نے
کہ کیوں یوں پائمالِ انقلابِ آسمان تم ہو

سبب کیا ہے تمھیں اب دہر میں جینا نہیں آتا
مگر ناواقفِ رازِ حیاتِ جاودان تم ہو

جو مسلم ہو تو مسلم کا طریقِ زندگی سیکھو،
وہی رخشندگی سیکھو، وہی تابندگی سیکھو!

بس اتنا ربط ہے اب ملتِ اسلام سے تمکو
کہ تھوڑا سا تعلق رہ گیا ہے نام سے تم کو

تمھاری زندگی میں ولولے اسکے نہیں باقی
ہے بیزاری خدا کے آخری پیغام سے تم کو

کہاں اب وہ سرور و انبساط و کیفِ روحانی
خدا کے نام سے تمکو نبی کے نام سے تم کو

زبانوں پر ہے کلمہ حکمت آموزانِ مغرب کا
عقیدت اب کہاں پیغمبرِ اسلام سے تم کو

تمھیں ہو ذوق کیونکر یثربی علم و معارف سے
شغف سا ہو رہا ہے مغربی اوہام سے تم کو

تمھارے واسطے تہذیبِ حاضر مایۂ نازش
اگر ہے عار تو بس سنتِ اسلام سے تم کو

تعلق جس قدر ہے تم کو تفریحی مشاغل سے
نہیں اتنی بھی نسبت دین کے احکام سے تم کو

خدا کا حکم مانو دین کی خدمت بجا لاؤ
بھلا فرصت کہاں اتنی دلِ خودکام سے تم کو

تمھیں کیا دینِ حق گر صفحۂ ہستی سے مٹ جائے
تن آسانی سے مطلب واسطہ آرام سے تم کو

کبھی جوشِ عمل کا ولولہ پیدا نہیں ہوتا
گلہ گردون سے شکوہ گردشِ ایام سے تم کو

رہو گے یونہی محوِ خوابِ غفلت تا بکے آخر
سبق ملتا ہے کچھ بیداریِ اقوام سے تم کو

زمانہ کے حوادث تم کو کچھ پیغام دیتے ہیں
نیا درسِ عمل لینا ہے صبح و شام سے تم کو

خبر بھی ہے کہ ہے مدت سے دنیائے عمل سونی
اٹھانا ہے نیا اک حشر ہر اک گام سے تم کو

اٹھو پھر از سرِ نو دہر میں ہنگامہ آرا ہو
نئے جوشِ عمل سے نوجوانو! جادہ پیما ہو

باب التقریظ والانتقاد

تذکرۂ نصرآبادی

تذکرۂ شعرائے فارسی، مؤلفہ میرزا محمد طاہر نصرآبادی مطبوعۂ ایران، چاپخانۂ ارمغان طہران، ضخامت ۵۰۵ صفحے، ٹائپ، قیمت ۴۰ ریال، ملنے کا پتہ:- کتبخانۂ دانش نمبر ۶۰۵ پوسٹ بکس کلکتہ،

ایران مین فارسی کی جو نئی کتابین ہر سال شائع ہوتی ہین، ان مین سے ایک میرزا محمد طاہر نصرآبادی کا تذکرۂ شعراء ہے، میرزا محمد طاہر کا وطن نصرآباد تھا جو اصفہان کے متعلقات مین ہے، اور اب تک یہ قصبہ آباد ہے، اور پانچ چھ ہزار نفوس کی آبادی ہے، میرزا محمد طاہر ۱۰۲۷ھ مین پیدا ہوا، ۵۶ برس کی عمر مین ۱۰۸۳ھ مین یہ تذکرہ لکھا، اور اسی صدی کے آخر مین شاہ سلیمان صفوی کے عہد مین وفات پاگیا،

اس کا یہ تذکرہ تقریباً ایک ہزار معاصر شعرا کے نام اور کلام پر مشتمل ہے، کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین ایران کے پہلو بہ پہلو ہندوستان کو بھی جگہ دی گئی ہے،

کتاب کے مضامین کا مختصر خلاصہ یہ ہے:-

مقدمہ معاصر صفوی بادشاہ اور شاہزادے،

۱- ایران کے امراء اور مقربانِ شاہی،

۲- ہندوستان کے امراء و مقربانِ شاہی،

۳- وزراء اور عمالِ دفاتر،

۴- سادات اور شرفا،

۵- علماء و فضلاء،

۶- خوشنویس،

۷- فقراء اور درویش،

۸- عام شعرائے عراق و خراسان،

۹- شعرائے ماوراء النہر،

۱۰- شعرائے ہندوستان،

۱۱- مصنف کا خاندان،

خاتمہ چیستان معما اور پہیلیون پر ہے، جن کا سمجھنا اور سمجھانا آسان نہین، اسی سلسلہ مین بعض ابجدی تاریخین لکھی ہین جن مین کوئی خاص صنعت ہے،

مصنف نے مقدمہ مین لکھا ہے کہ عوفی، دولت شاہ اور سامی کے تذکرون کو دیکھکر اس کو یہ خیال ہوا کہ وہ بھی اپنے زمانہ کے شعراء کا یہ تذکرہ ترتیب دے، افسوس ہے، کہ تذکرہ مین حالات کا حصہ بہت ہی کم ہے، بلکہ گویا نہین ہے، سنین کا ذکر کہین نہین، البتہ اشعار کا انتخاب اچھا ہے، اس لئے ایک عمدہ بیاض سے زیادہ اس کی حیثیت نہین، تاہم ضمناً صفویون کے متعلق کوئی واقعہ یا اوسی قسم کی باتین ریزہ چینی سے ہاتھ آسکتی ہین،

ہندوستان پر اس مین دو باب ہین، پہلا باب یہان کے سخنور اور سخن سنج امراء پر ہے، اور دوسرا اوس کے عہد کے ہندوستان کے عام فارسی شعراء پر جن کا نام اور کلام ایران تک پہنچا، پہلے مین میرزا جعفر مشہور بہ آصف خان وزیر جہانگیر کا نام پہلا ہے، جعفری اس کا تخلص بتایا ہے، مثنوی خسرو شیرین اوسکی تصنیف ہے، نصرآبادی کا بیان ہے، کہ نظامی کے بعد کسی نے اس خسرو شیرین

کے قصہ مین اس پایہ کی مثنوی نہیں لکھی، اس مثنوی کے بہت سے اشعار درج کئے ہین، پھر

اوسکی غزلون کے کچھ اشعار لکھے ہین،

دوسرا نام میرزا راجہ (راجہ جے سنگھ کچھواہہ؟) کا ہی جس کو شاہجہان کا خالو لکھکر تعارف

کرایا ہے، اس کا ایک ہی شعر لکھا ہی، مگر خوب ہی،

بہار گشت دگر، فکر میگساران چیست من از صلاح گذشتم صلاح یاران چیست

چوتھا نام عبد الرحیم خانخانان کا ہی، ان کی مشہور غزل چنداست اور بنداست کے چند شعر

نقل کئے ہین، اور تین چار اور شعر دیئے ہین،

پھر میر جملہ، ظفر خان خلف خواجہ ابو الحسن، میرزا امان اللہ خلف مہابت خان، ملا شاہ، پیر وارا شکوہ،

جہان آرا بیگم کا نام بھی لکھا ہی، اور اُن پر چوٹ کی ہے اسی سلسلہ مین اپنے دادا میرزا صادق کا نام دیا ہی،

اور مختصر حال لکھا ہی، وہ شاہ شجاع کے ساتھ بنگال مین رہا تھا، اسی تقریب سے بنگال کی برسات کی تعریف

مین اوسکی مثنوی کے چند شعر دیئے ہین، جس مین اوس نے بنگال مین اپنے ایک معرکہ کا حال لکھا ہی،

خوشا ملک بنگالہ در برشگال سوادش بہ روے زمین ہمچو خال

زمین پر ز آب و ہوا پر ز میغ نہان آب در سبزہ چون آب میغ

سپہ ابر پیوستہ در ہاے ہوے تو گوئی بلا لیست تکبیر گوے

ز کوہ آبشار آنچنان ریختہ تو گوئی فلک کہکشان ریختہ

۱۰۸۳ھ سو ۱۰۸۵ھ تک معاصر شعراے ہند کا تذکرہ ہے، اسمین پہلا نام شیدا کا ہی، دوسرا غنی کشمیری کا،

اسی سلسلہ مین حیدر علی فغان کشمیری، فانی کشمیری، ندیم کشمیری، طاہر کشمیری، فغانی کشمیری، محمد عارف

لاہوری، ماتی دہلوی، ملا لطف اللہ کشمیری، ملا افضل سرخوش لاہوری، اور عبد القادر بیدل کے نام اور

کلام کو جگہ دی ہی، (بیدل کی جگہ بیدلی چھپ گیا ہی) اور ان کو لاہوری بتایا ہی،

"س"

مطبوعات جدیدہ

مطلع سعدین و مجمع بحرین
حصہ دوم جزء اول کمال الدین عبد الرزاق سمرقندی تقطیع بڑی،
ضخامت ۴۵۶ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت صر،
پتہ:- شیخ مبارک علی تاجر کتب لوہاری دروازہ لاہور،

مطلع سعدین ایران اور اس کے ہمجوار ملکون کی آٹھوین اور نوین صدی ہجری کی نہایت مستند

تاریخ ہی، اس کا مصنف کمال الدین عبد الرزاق سمرقندی اپنے عہد کا نامور فاضل تھا، سلطان

شاہرخ کے زمانہ سے لیکر سلطان ابو سعید مرزا کے زمانہ تک آلِ تیمور کے دربار سے وابستہ رہا،

اس نادر کتاب کے دو حصے ہین، پہلے حصہ مین ۷۰۴ھ سے ۸۰۷ھ تک ایک صدی کے حالات

ہین، دوسرا حصہ ۸۰۷ھ سے ۸۷۵ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہی، مصنف کا عہد ۸۱۶ھ سے ۸۷۵ھ

تک ہی اس لئے دوسرے حصہ کے حالات بڑی حد تک چشم دید واقعات کی حیثیت رکھتے ہین

پہلا حصہ بھی معتبر تاریخون سے ماخوذ ہے، اس لئے یہ کتاب اس دور کی مستند ترین تاریخون مین

ہے، اس کے قلمی نسخے یورپ کے مختلف کتبخانون مین ہین، فاضل محقق مولوی محمد شفیع صاحب

پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور نے مختلف نسخون سے تصحیح و مقابلہ کرکے مفید حواشی و تعلیقات کے

ساتھ اس اہم کتاب کی دوسری جلد کا پہلا حصہ جسمین ۸۳۳ھ تک کے حالات ہین شائع کیا ہی، مقابلہ و تصحیح سے محنت

اور دیدہ ریزی نمایان ہی، حواشی و تعلیقات مین کثیر التعداد فارسی اور انگریزی کتابون سے مدد لیگئی ہی، جس سے

کتاب کے مباحث پر جابجا مفید روشنی پڑتی ہی، آخر مین ترکی اور مغلی الفاظ کا فرہنگ بھی دیدیا ہے، اس

کتاب کی اشاعت سے ایران اور اس کے ملحقہ ممالک کی تاریخ میں ایک اہم ماخذ کا اضافہ ہوا امید ہے کہ فاضل محترم اس کے بقیہ حصہ سے بھی جلد اہلِ علم کو استفادہ کا موقع دین گے،

کتاب العلم جزو اول مرتبہ جناب محمد سعید بیگ صاحب و محمد اسمٰعیل نعیم صاحب تقطیع بڑی، ضخامت ۱۵۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت نفیس، قیمت ۱۲؎، پتہ:- ایسٹرن پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ نعیم بلڈنگ ۲۳ب اڈورڈ روڈ لاہور،

اردو دائرۃ المعارف کی تالیف کا خیال عرصہ سے اہلِ علم کے دماغون مین ہی لیکن اب تک عملی جامہ نہین پہن سکا، ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد نے اس اہم کام کی طرف قدم بڑھایا ہے اور اس کے باہمت کارکنون سے اوسکی تکمیل کی امید ہے، دائرۃ المعارف تو بڑی چیز ہے، اردو مین کوئی ایسی کتاب بھی موجود نہین ہے، جس مین "بک آف نالج" کے طریقہ پر اختصار کے ساتھ مختلف قسم کے ضروری معلومات جمع کر دیئے گئے ہون، ایسٹرن پبلشنگ کمپنی لاہور نے کتاب العلم کے نام سے یہ پہلی کتاب شائع کی ہے، اس حصہ میں مختلف موضوعون مثلاً معدنیات حیاتیات اقتصادیات فنونِ لطیفہ وغیرہ پر مختصر معلومات ہین، ترتیب حروفِ تہجی کے بجائے فنون پر ہے گو دائرۃ المعارف کے معیار سے یہ کتاب بہت پست ہے، لیکن اردو مین یہ بھی غنیمت ہے اور بقیہ حصون کی تکمیل کے لئے حوصلہ افزائی کی مستحق ہے، اس سے کم از کم عام معلومات کی ایک کتاب اردو مین ہو جائیگی، کتاب کی ظاہری نفاست اور تصویرون نے اسکی دلچسپی مین اضافہ کر دیا ہے،

بہائی تحریک پر تبصرہ از ابو العطاء صاحب جالندھری تقطیع بڑی ضخامت ۱۵۶ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت معلوم نہین، پتہ بیت العطاء قادیان،

اس حرفِ آخری دور مین مسلمانوں کی جانب منسوب جو فرقے پیدا ہوئے، ان مین سب سے

زیادہ گمراہ بلکہ مخالف اسلام بابی اور بہائی فرقے ہین، اورون نے تو ستر حال کے لئے اپنے چہرہ پر کسی نہ کسی نوع کی نقاب ڈالے رکھی، لیکن ان دونون کا چہرہ بالکل بے نقاب ہے، اس کے باوجود بہتیرے خوش خیال مسلمان انھین اسلام ہی کا ایک فرقہ تصور کرتے ہین، ہندوستان مین ان کے حریف یا رقیب قادیانی ہین، چنانچہ ابو العطاء صاحب قادیانی نے اس کتاب مین خود بہائی لٹریچر اور ان کی کتابون سے اس تحریک کی تاریخ اور اس کے عقائد پر تبصرہ کر کے اسکی گمراہیون کو آشکارا کیا ہے، بہائیوں کی کتاب "اقدس" کا عربی متن بھی مع ترجمہ کے دیدیا ہے، کتاب مفید اور دلچسپ ہے، لیکن لائق مصنف اپنے فرقہ کی تبلیغ سے نہین چوکے ہین، اور جہان موقع ملا ہے اپنے نبی کی نبوت کا ثبوت بھی دیتے گئے ہین، نسخِ آیات کے بارہ مین بھی انھون نے اپنے عقیدہ کی ترجمانی کی ہے،

ہندوستانی کھیل مرتبہ جناب خواجہ الطاف علی صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی، اور اسکی شاخین لاہور لکھنؤ بمبئی نمبر ۳

بچون اور نوجوانون کی جسمانی نشو و نما کے لئے ورزشی کھیل بہت ضروری چیز ہے، جناب خواجہ الطاف علی صاحب نگران تربیت جسمانی جامعہ نے جنھین اس کا عملی تجربہ ہے، اس کتاب مین کچھ سو دلچسپ ورزشی کھیلون کے طریقے بتائے ہین، اور تصویرون سے ان کی تشریح بھی کر دی ہے، کتاب کے شروع مین ورزش کی اہمیت اور اس کے اصول و قواعد پر ایک مقدمہ ہے، آخر مین صحت کا چارٹ بھی دیدیا ہے، یہ کتاب بچون کے لئے مفید بھی ہے اور دلچسپ بھی، ورزش جسمانی کے اساتذہ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہین،

سلیس اردو مرتبہ انجمن ترقی اردو حیدر آباد دکن تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲؍، پتہ:- انجمن ترقی اردو حیدر آباد دکن،

انجمن ترقی اردو حیدرآباد دکن نے بالغون کی تعلیم کے لئے ایسی اردو ریڈرون کا سلسلہ شروع کیا ہے جس مین زبان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ پڑھنے والون کے معلومات مین اضافہ کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اس کا پہلا حصہ آسان اردو کے نام سے پہلے شائع ہو چکا ہے، سلیس اردو اس کا دوسرا حصہ ہے، اس مین ممتاز اہلِ قلم کے آسان معلوماتی مضامین، اخلاقی کہانیان اور مفید نظمین جمع کردی گئی ہین، اخلاقی کہانیان بہت اچھی ہین، اگو یہ رسالہ بالغون کے لئے لکھا گیا ہے، لیکن نابالغون کے لئے بھی ویسا ہی مفید ہے،

منتخب داغ حصہ اول و دوم جناب احسن مارہروی مرحوم تقطیع بڑی ضخامت ۱۱۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ۲ر پتہ:- مطبع انوار احمدی الہ آباد،

متقدمین مین میر اور متاخرین مین داغ کا کلام اتنا صاف سادہ اور سلیس ہے کہ اس کا بڑا حصہ معمولی خواندہ بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہین، داغ کے شاگرد رشید جناب احسن مارہروی مرحوم نے ان کے کلام سے ایک ایسا انتخاب کیا تھا جو فارسی عطف و اضافت سے خالی ہو، لیکن ان کی زندگی مین اس کی اشاعت کی نوبت نہین آئی، ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ جناب سعید مارہروی نے اس کو شائع کیا ہے، انتخاب کے شروع مین مولف مرحوم کے مختصر حالات اور ان کے قلم کا لکھا ہوا مقدمہ ہے، جس مین داغ کی شاعری پر مختصر تبصرہ اور اس پر جو اعتراضات کئے جاتے ہین، اس کے جوابات ہین، اس کے بعد ۱۱۴ صفحون مین اصل انتخاب ہے، انتخاب متفرق اشعار کا نہین ہے بلکہ پوری پوری غزلین ہین، اس سے داغ کے کلام کی سادگی اور سلاست کا ثبوت ملتا ہے، دوسرے حصہ مین بے عطف و اضافت کے اشعار کا التزام نہین ہے اسلئے حسن انتخاب کے اعتبار سے یہ حصہ پہلے سے بہتر ہے، یہ انتخاب ان معترضین کا مسکت جواب ہے جو اردو شاعری کے تمام سرمایہ کو فارسی کا مثنی سمجھتے ہین،

"م"

جلد ۴۹ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۳ء عدد ۳

مضامین